معاشرتی علوم
آٹھویں جماعت کے لیے
سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

آزمائشی ایڈیشن

معاشرتی علوم

آٹھویں جماعت کے لیے

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو سندھ
ناشر
رائل کارپوریشن، کراچی

تیار کردہ: ماڈل اسکول پراجیکٹ، ایشیائی ترقیاتی بینک، وفاقی وزارتِ تعلیم، اسلام آباد

منظور کردہ: محکمۂ تعلیم صوبۂ سندھ، بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبۂ سندھ

قومی کمیٹی برائے جائزہ کتب نصاب کی تصحیح شدہ

نگرانِ اعلیٰ

مشتاق احمد قریشی

چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

ریویو

صوبیہ عالم

ترجمہ

پروفیسر بدر الدجیٰ

نگران

قائم الدین بلال

غلام محی الدین بلیدی

لے آؤٹ اور ڈیزائننگ

محمد علی شیخ

ٹائٹل ڈیزائننگ

علی عباس جعفری، ساجدہ یوسف، اقبال راہی، محمد علی شیخ

مطبوعہ

رائل کارپوریشن، کراچی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
پہلا باب	کائنات	5
دوسرا باب	کرۂ ارض پر پانی اور خشکی کی تقسیم	15
تیسرا باب	آب و ہوا کے لحاظ سے دنیا کے اہم خطے	37
چوتھا باب	عالمی وسائل	49
پانچواں باب	دنیا کی آبادی	56
چھٹا باب	عالمی ذرائع ابلاغ اور پاکستان	71
ساتواں باب	سیاحت	85
آٹھواں باب	نظریۂ پاکستان	98
نواں باب	اقوام متحدہ	113

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
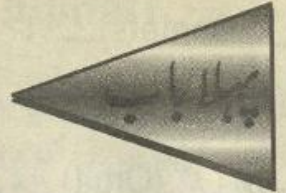
کائنات

اللہ تعالیٰ نے زمین، سورج، چاند اور سیارے انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ اللہ کی تخلیقات پر غوروفکر اللہ کے وجود پر ہمارے ایمان کو زیادہ پختہ اور قوی کرتا ہے۔

یہ کائنات اتنی بسیط ہے کہ انسانی عقل کے لیے اس کا مکمل احاطہ کرنا بھی تقریباً ناممکن ہے۔ اس کائنات کے بارے میں ہر شخص کا علم اور تاثرات جدا جدا ہوتے ہیں۔ تاہم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ انسان کے اندر اپنے گردوپیش کو جاننے اور سمجھنے کا فطری جذبہ موجود ہے۔ ایک فلسفی مقصدِ کائنات کو سمجھنے کے لیے گہرے غوروفکر سے کام لیتا ہے جبکہ ایک سائنسدان اس کی ہیئت ترکیبی پر تحقیق کرتا ہے خواہ اس کی نگاہ دوربین کے ذریعے ان بے شمار انتہائی جسیم اجرامِ فلکی پر ہو جو ناقابلِ تصور فاصلے پر ہیں یا وہ کسی تجربہ گاہ میں چھوٹے چھوٹے قطرات کے برتاؤ کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ اُس کی توجہ اس امر کی جانب مبذول رہتی ہے کہ یہ کائنات کس طرح مربوط طریقے پر قائم اور سرگرمِ عمل ہے۔ تاہم فی الحال ہم اپنی ضرورت اور علم کے لیے اپنی توجہ سورج، چاند اور دیگر سیاروں پر رکھیں گے۔ یہی سب مل کر نظامِ شمسی تشکیل دیتے ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ہمارا یہ نظامِ شمسی کائنات کے بے شمار نظام میں سے ایک ہے۔

اس لیے اب ہماری خصوصی توجہ نظامِ شمسی کو جاننے اور سمجھنے پر مرکوز ہوگی۔

نظامِ شمسی

ہمارے نظامِ شمسی میں سورج واحد ستارہ ہے۔ یہ دو گیسوں (ہائیڈروجن اور ہیلیم) کا مجموعہ ہے۔ ان گیسوں میں ہمہ وقت ''مرکزائی گداخت'' یا ''نیوکلیئر فیوژن (Nuclear Fusion)'' کا عمل جاری ہے۔ اسی عمل کی بدولت اِس سے روشنی اور حرارت کا اخراج ہو رہا ہے۔ سورج، اس کے گرد گردش کرنے والے اجرام فلکی، نو سیارے اور ان کے چاند (Satellites)، سیارچے (Asteroids) اور دم دار ستارے (Comets) سب مل کر ہمارا نظامِ شمسی تشکیل دیتے ہیں۔ ہمارے نظامِ شمسی کے سیارے سورج کے گرد گردش کرتے ہیں مگر خود روشنی و حرارت خارج نہیں کرتے۔ چند سیاروں کے گرد ان کے اپنے اپنے چاند گردش کر رہے ہیں۔ آسمان پر ہم چاند اور سیاروں کو اس لیے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں کہ یہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں۔

سورج کے گرد گھومنے والے اجرام فلکی میں سیارچے، شہابیے (Meteroids) اور دم دار ستارے (Comets) بھی شامل ہیں۔ سیارچے اور شہابیے مختلف جسامت کی چٹانوں کی مانند ہوتے ہیں جو سیاروں کے درمیان کے خلا میں چکر لگا رہے ہیں۔ سیارچے چھوٹے سیاروں کی مانند سورج کے گرد گھومتے ہیں جبکہ شہابیوں کا کوئی مخصوص مدار (Orbit) نہیں ہوتا۔ ان کے مقابلے میں دم دار تارے برف اور گرد کی گیند کی مانند ہوتے ہیں اور یہ سورج کے گرد سیارچوں کی طرح گردش کرتے ہیں۔ دم دار تاروں اور سیارچوں کا مدار عموماً بیضوی ہوتا ہے۔
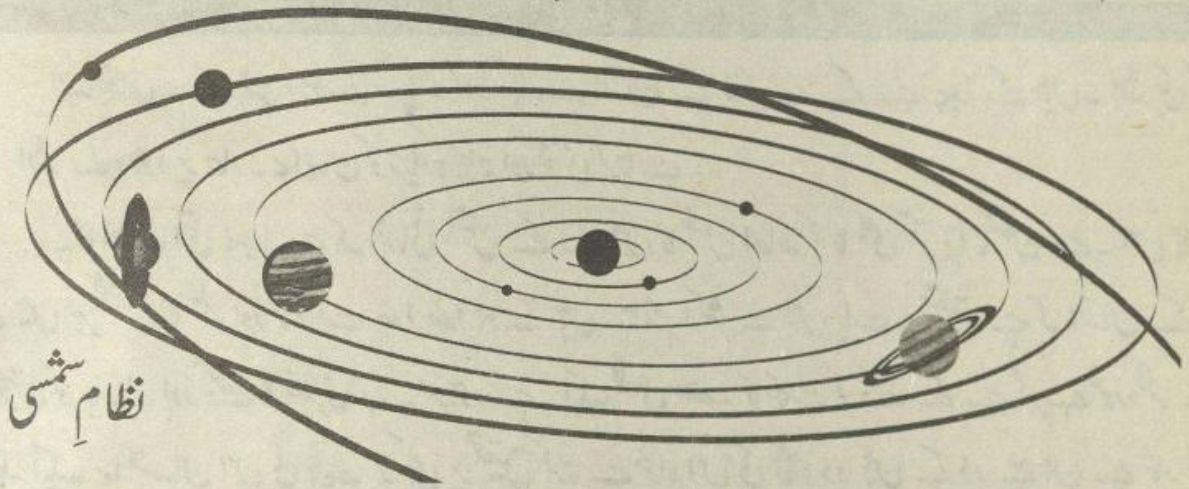
فی الحال ہمیں نو بڑے سیاروں کا علم ہے۔ ان کو عموماً دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ''اندرونی سیارے'' (عطارد، زہرہ، زمین اور مریخ) اور ''بیرونی سیارے'' (مشتری، زحل، یورینس اور نیپچون)۔ اندرونی سیارے چھوٹے ہوتے ہیں اور بنیادی طور سے پتھروں (چٹانوں) اور آہن (لوہے) پر مشتمل ہیں۔ بیرونی سیارے نسبتاً بہت بڑے ہیں اور ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسوں پر مشتمل ہیں۔ پلوٹو ان دونوں گروہوں میں کسی میں بھی شامل نہیں ہے اور اس پر بحث جاری ہے کہ آیا اس کو بڑا سیارہ سمجھا بھی جائے یا نہیں۔

عطارد (Mercury): حیرت انگیز طور پر عطارد بہت کثیف ہے۔ بظاہر اس کی وجہ اس کا آہنی قلب ہے۔ اپنی ناپائیدار اور غیر مستقل فضا کے ساتھ عطارد کی سطح پر ابتدائی تاریخ کے سیارچوں کے تصادم کے نقش اب تک موجود ہیں۔

زہرہ (Venus): زہرہ کی فضا زمین کے مقابلے میں نوے گنا زیادہ موٹی ہے اور اس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ شامل ہے جس کی وجہ سے اس کا ''سبز خانہ اثر (Green House Effect)'' بہت نمایاں ہے۔ اس کی سطح کا درجۂ حرارت تمام سیاروں میں سب سے زیادہ یعنی تقریباً 477 درجہ سیلسیس (سینٹی گریڈ) ہے۔

زمین (Earth): زمین واحد سیارہ ہے جس پر کثیر مقدار میں پانی اور حیات موجود ہے۔ اس امر کی مضبوط شہادت موجود ہے کہ کسی وقت مریخ (Mars) کی سطح پر پانی موجود تھا لیکن اب کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل اس کی فضا اس قدر باریک ہے کہ یہ سیارہ خشک اور سرد ہوگیا ہے۔ قطبین پر برف اور ٹھوس کاربن ڈائی آکسائیڈ (خشک برف) کے آثار نظر آتے ہیں۔

مشتری (Jupiter): مشتری تمام سیاروں میں سب سے بڑا سیارہ ہے۔ ہائیڈروجن اور ہیلیم پر مشتمل اس کی فضا میں ہلکے زرد رنگ (Pastel) کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور اس کی طاقتور مقناطیسی فضا، حلقے اور اس کے چاند مل کے خود اسے ایک سیارگی نظام (Planetary System) بنا رہے ہیں۔ مشتری کے بڑے چاندوں میں سے ایک جسے آئی او (Io) کہتے ہیں پر آتش فشاں پہاڑ ہیں جن کی وجہ سے اس کی سطح کا درجۂ حرارت پورے نظامِ شمسی میں سب سے زیادہ ہے۔ مشتری کے چاندوں میں سے کم از کم چار پر فضائی کرہ ہے اور کم از کم تین چاند ایسے ہیں جن پر مائع یا جزوی منجمد برف کے آثار نظر آتے ہیں۔

جدول ۔ نظامِ شمسی کے سیارے

نمبر شمار	سیارے کا نام	قطر (کلومیٹروں میں)	سورج سے فاصلہ (کلومیٹروں میں)	سورج کے گرد گردش کی مدت	اہمیت
1.	عطارد (Mercury)	4,880	57,900,000	88 دن	سب سے چھوٹا اور سورج سے قریب ترین
2.	زہرہ (Venus)	12,104	108,200,000	225 دن	زمین سے قریب ترین
3.	زمین (Earth)	12,740	149,600,000	365.25 دن	
4.	مریخ (Mars)	6,787	227,000,000	687 دن	
5.	مشتری (Jupiter)	137,600	748,300,000	11.75 سال	سب سے بڑا سیارہ
6.	زحل (Saturn)	12,000	1,425,800,000	29.5 سال	
7.	یورینس (Uranus)	51,820	2,869,400,000	84 سال	
8.	نیپچون (Naptune)	49,500	4,491,600,000	164.75 سال	
9.	پلوٹو (Pluto)	6,000	5,907,700,000	247.75 سال	سورج سے سب سیاروں کی نسبت زیادہ فاصلے پر واقع ہے۔

زحل (Saturan): زحل کو مشتری کا مدمقابل سمجھا جاتا ہے۔ اس کے حلقوں یا ہالوں کا نظام زیادہ نازک اور پیچیدہ ہے اور اس کے گرد بھی اتنے ہی (گیارہ) چاند ہیں۔ زحل کے ایک چاند، طیطان (Titan) کی فضا ہمارے نظامِ شمسی کے کسی بھی سیارے سے زیادہ موٹی ہے۔

یورینس اور نیپچون (Uranus and Neptune): مشتری اور زحل کے مقابلے میں ان میں ہائیڈروجن بہت کم ہے۔ یورینس کے گرد بھی ایک ہالہ ہے اور اس کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ اپنے مدار کی سطح سے 98 درجہ پر گردش کررہا ہے۔ پلوٹو (Pluto) مشتری یا زحل کے بڑے برفانی چاندوں کی طرح نظر آتا ہے۔ پلوٹو سورج سے اتنے زیادہ فاصلے پر

ہے اور اس قدر سرد ہے کہ اس کی سطح پر میتھین گیس منجمد اور ٹھوس بن جاتی ہے۔

نظامِ شمسی کے تمام سیّارے سورج سے کئی ملین کلومیٹر دور اس کے چاروں طرف گردش کررہے ہیں۔ تمام سیّاروں کی اپنی اپنی قوّتِ کشش ہے۔ اس باہمی کشش کی وجہ سے یہ سیّارے سورج سے اور ایک دوسرے سے باہمی فاصلے برقرار رکھتے ہیں۔ ہر سیّارہ سورج کے گرد ایک مخصوص مدار میں حرکت کررہا ہے۔ وہ قوّت جو ان سب کو اپنے اپنے مقامات پر قائم رکھتی ہے اور ان کو اپنے مخصوص راستے سے ہٹنے یا دور ہونے کی اجازت نہیں دیتی وہ ان سیّاروں کی قوّت جاذبہ (Force of Gravitation) ہے جس کی بدولت یہ دوسری اشیاء یا اجرام کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔

سورج (Sun):

سورج کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ چوں کہ سورج اس نظام کا مرکز ہے اسی لیے اس نظام کو نظامِ شمسی کہا جاتا ہے۔ سورج بذاتِ خود ایک ستارہ ہے جس کی اپنی روشنی ہے۔ یہ کہکشاں کے خاندان سے ہے۔ اربوں ستاروں کے جھرمٹ کو کہکشاں کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ دیگر تمام اجرام فلکی بھی شامل ہیں جو ان کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ کہکشائیں تین اقسام کی ہیں۔ بے قاعدہ (Irregular)، لچھے دار (Spiral) یا مرغولے دار اور بیضوی (Elliptical)۔ سورج زمین کا نزدیک ترین ستارہ ہے۔ یہ انتہائی گرم اور روشن گیسوں سے مل کر بنا ہے۔ سورج کی طاقتور قوّتِ جاذبہ کی وجہ سے زمین اور نظامِ شمسی کے دیگر سیّارے اپنے اپنے مداروں میں رہتے ہیں۔ سورج کی روشنی اور حرارت ہی اس نظامِ شمسی کے دیگر تمام اجرام پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے زمین پر حیات پائی جاتی ہے۔ سورج اور زمین کے درمیان فاصلہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے کیوں کہ زمین کا مدار دائروی نہیں بیضوی ہے۔ سورج سے روشنی کی ایک کثیر مقدار خارج ہوتی ہے۔ صرف روشنی اور حرارت کی شکل میں سورج 3.83x1026 (383000,000,000,000,000,000,000) واٹ توانائی پیدا کررہا ہے۔ اس کے مقابلے میں بجلی کا ایک عام بلب (قمقمہ) 60 سے 100 واٹ طاقت کا ہوتا ہے۔ سورج کی روشن بیرونی سطح کی تپش تقریباً 5800 کیلون ہے۔

سورج

زمین سے دیکھنے پر سورج اس لیے چھوٹا نظر آتا ہے کیوں کہ یہ بہت زیادہ فاصلے پر ہے۔ زمین سے اس کا اوسط فاصلہ 149.6 ملین کلومیٹر ہے۔ روشنی کو زمین تک پہنچنے میں پانچ سو سیکنڈ (آٹھ منٹ بیس سیکنڈ) لگتے ہیں۔

سورج کی کششِ ثقل کی وجہ سے یہ نظامِ شمسی باہم مربوط اور ملا ہوا ہے۔ سورج اپنی بھاری کمیت کی وجہ سے تمام سیاروں، سیارچوں، دم دار ستاروں اور گرد کو اپنی جانب کھینچتا ہے اور یہی کشش جاذبہ ان اجرام کو سورج کے گرد اپنے محور میں قائم رکھتی ہے۔
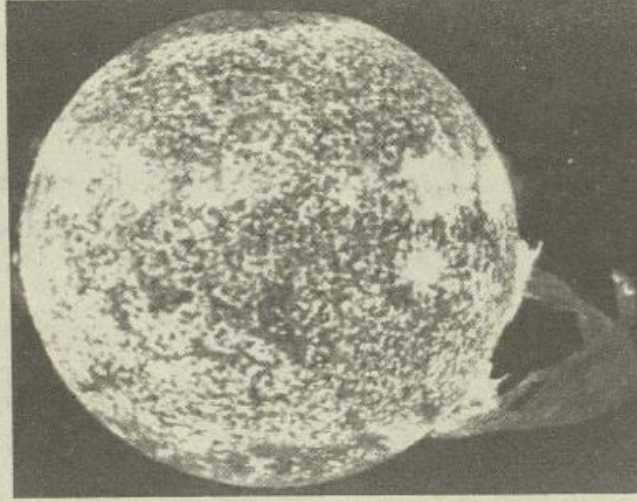
سورج کے داغ

بڑے سیاہ داغ جنھیں شمسی داغ بھی کہا جاتا ہے اکثر و بیشتر سورج کی فضا میں نظر آتے ہیں۔ ضیائی کرہٗ (Photo Sphere) سورج کے کرہ فضائی کی پست ترین لیکن کثیف ترین سطح ہے۔ سب سے بڑے شمسی داغ جسامت میں کرہٗ ارض سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور عام دوربین سے بہ آسانی نظر آجاتے ہیں۔ شمسی داغ سورج کے ساتھ ساتھ گھومتے ہیں اور پھر اوجھل ہوجاتے ہیں۔ ان کا عرصۂ حیات چند گھنٹوں سے مہینوں تک محیط ہوتا ہے۔ گیارہ سالہ چکر میں شمسی داغوں کی تعداد پہلے بڑھتی ہے پھر گھٹ جاتی ہے۔ ان داغوں میں تبدیلی کا اثر زمین کے موسموں اور فصلوں پر ہوتا ہے۔ جس وقت شمسی داغ اپنے اطراف کے لحاظ سے زیادہ سیاہ ہوتے ہیں تب بھی ان سے روشنی خارج ہورہی ہوتی ہے۔ ایک شمسی داغ ماہِ کامل کے مقابلے میں کم از کم دس گنا زیادہ روشن ہوتا ہے۔

سورج زمین کو روزانہ توانائی کی ایک کثیر مقدار مہیا کررہا ہے۔ تمام بحر، بحیرے اور سمندر اس توانائی کو جمع کرلیتے ہیں اور اس طرح زمین پر وہ درجہ حرارت برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں جس کی بدولت زمین پر مختلف انواع واقسام کی زندگی کا وجود ممکن ہے۔ پودے سورج کی توانائی کو استعمال کرکے غذا بناتے ہیں اور پھر یہ پودے دوسرے جانداروں کے لیے غذا مہیا کرتے ہیں۔ سورج کی توانائی سے زمین کے کرہ فضائی میں ہوائیں چلتی ہیں۔ ان ہواؤں کو استعمال کرکے طاقت وتوانائی پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ سورج کی روشنی ہمارے دنوں کو روشن رکھتی ہے اور حیات کے لیے مطلوبہ توانائی مہیا کرتی ہے لیکن سورج کی روشنی عوام کے لیے مضر بھی ہوسکتی ہے۔ انسانی جلد سورج سے خارج ہونے والی بالا بنفشی شعاعوں کے لیے بہت حساس ہے۔

چاند (Moon)

نظامِ شمسی کے اجرام فلکی میں چاند یا قمر سب سے زیادہ اہم ہے۔ انسان چاند تک سفر کر چکا ہے اور اس پر چہل قدمی بھی کر چکا ہے۔ امریکی خلائی جہاز ''اپولو گیارہ'' کو 16 جولائی 1969ء کو خلا میں چھوڑا گیا تھا۔ نیل آرمسٹرانگ، مائیکل کولنز اور ایڈون ایڈرن چاند پر اترنے والی سب سے پہلی پرواز (مہم) میں شامل تھے۔ اس چاند گاڑی نے 20 جولائی 1969ء کو چاند کی سطح کو چھوا۔ آرمسٹرانگ اور ایڈرن نہ صرف چاند کی سطح پر اترے بلکہ وہاں امریکی پرچم اور دیگر سائنسی آلات بھی نصب کئے اور انھوں نے چاند کی سطح پر 21 گھنٹے اور 37 منٹ بھی گزارے۔ اس دوران مائیکل کولنز اپنے خلائی جہاز میں بیٹھے چاند کے گرد گردش کرتے رہے۔

چاند زمین کا واحد قدرتی چاند (Satellite) ہے اور سیاروں کے چاندوں میں قطر میں پانچویں نمبر پر ہے۔ اس کا قطر عطارد کے قطر کا تقریباً دو تہائی ہے اور سب سے بڑے سیارچے کے قطر سے تین گنا بڑا ہے۔ حقیقتاً اس کی جسامت کرہ ارض کی تقریباً ایک چوتھائی ہے۔ اس کا قطر تقریباً تین ہزار چار سو پچھتر (3475) کلومیٹر ہے۔ چاند زمین سے اوسطاً 384,400 کلومیٹر کے فاصلے پر گردش کر رہا ہے۔ اس کی اوسط رفتار 3700 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ یہ زمین کے گرد بیضوی مدار میں 27 دن 7 گھنٹے اور 43 منٹ میں ایک چکر مکمل کرتا ہے۔
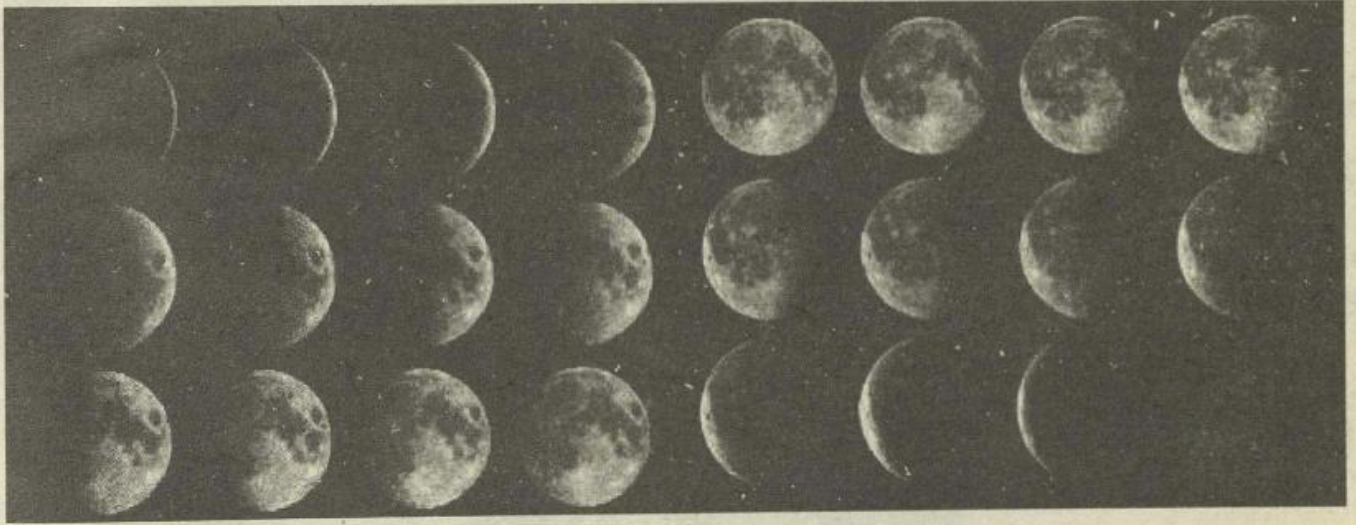
چاند کے مدار

چاند کے مختلف مدارج (گھٹنے اور بڑھنے کا عمل) کا انحصار زمین، چاند اور سورج کی باہمی حالتوں پر ہوتا ہے۔ سورج ہمیشہ چاند کے اس نصف حصے کو چمکاتا ہے جس کا رخ سورج کی طرف ہوتا ہے۔ جس وقت چاند اور سورج زمین کے مخالف سمتوں میں ہوتے ہیں تب ہمیں ''ماہِ کامل'' ایک روشن چمکدار گولے کی طرح نظر آتا ہے۔ جب چاند، سورج اور زمین کے درمیان ہوتا ہے تو یہ ''سیاہ'' یا تاریک نظر آتا ہے اور جب ذرا ہٹتا ہے تو یہ ''ہلال'' کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس دوران چاند رفتہ رفتہ اپنے عروج کے دوران ماہِ کامل بن جاتا ہے اور پھر زوال پذیر ہوتے ہوتے اگلے ''ہلال'' کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

چاند گرہن اور سورج گرہن (Ecl pses)

علم فلکیات کی رو سے دو اجرام فلکی ([illegible] س طور [illegible] ح یا سیاروں کے چاند) کا باہم ایک دوسرے کو گہنا دینا گرہن کہلاتا ہے۔ دو گرہن ایسے ہیں جن میں [illegible] مین بھی [illegible] ہے۔ یعنی چاند گرہن (Lunar Eclipse) اور سورج گرہن (Solar Eclipse)۔ جس وقت چاند اور سورج کے درمیان زمین آجاتی ہے اور اس کا سایہ چاند کو ڈھانپ لیتا ہے تو ''چاند گرہن'' ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب زمین اور سورج کے درمیان چاند آجاتا ہے تو ''سورج گرہن'' ہوتا ہے۔
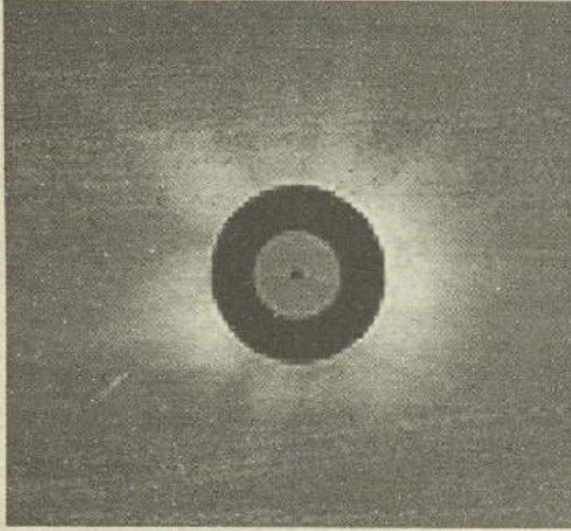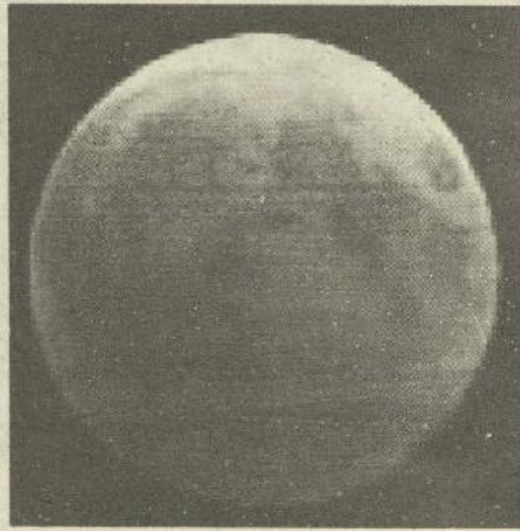
چاند گرہن

سورج گرہن

نظامِ شمسی میں زمین کا مقام

کرۂ ارض یا زمین نظامِ شمسی کا ایک سیارہ ہے۔ سورج سے فاصلے کے لحاظ سے تیسرا اور قطر کے لحاظ سے پانچواں سب سے بڑا سیارہ ہے۔ سورج سے زمین کا اوسط فاصلہ تقریباً 149.6 کلومیٹر ہے۔ یہ واحد سیارہ ہے جہاں حیات پائی جاتی ہے۔ اگرچہ کہ چند دوسرے سیاروں پر بھی کرۂ فضائی موجود ہے اور پانی کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

سورج کے گرد زمین 365.25 دنوں (بالکل صحیح 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 49 سیکنڈ) میں ایک گردش مکمل کرتی ہے۔ اس گردش کے دوران سورج کے لحاظ سے زمین کے بدلتے مقام اور فاصلے کی وجہ سے زمین پر موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ ایک سال کو ہم 365 دنوں کا لیتے ہیں اور پاؤ دن یا چھ گھنٹے کو نظر انداز کردیتے ہیں لیکن ہر چار سال بعد سال میں ایک دن کا اضافہ کردیتے ہیں اور فروری 28 دن کے بجائے 29 دن کا ہوجاتا ہے۔ یہ ''لیپ کا سال'' کہلاتا ہے لیکن کیوں کہ سال 365 دن میں 6 گھنٹے سے کچھ کم ہوتا ہے اور یہ فرق سو سال میں پھر تقریباً ایک دن ہوجاتا ہے اس لیے وہ صدی جو 400 پر پوری تقسیم نہیں ہوتی لیپ کا سال نہیں ہوتی۔ صرف وہ صدی جو 400 پر پوری تقسیم ہوجائے مثلاً 1600 یا 2000 وہ لیپ کا سال ہوتے ہیں۔ اب یہ صدی 2400 ہوگی جس میں فروری 29 دن کا ہوگا۔

زمین اپنے محور پر تقریباً 24 گھنٹے میں ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اس محوری حرکت کی وجہ سے شب و روز (رات اور دن) بنتے ہیں۔

بطور سیارہ کرۂ ارض کا سب سے نمایاں پہلو اس پر پانی کی موجودگی ہے۔ پانی صرف کرۂ حیاتی کے لیے ہی لازمی نہیں ہے بلکہ بہت سے ارضیاتی عمل مثلاً زمینی کٹاؤ، نقل وحمل اور تحویل کے لیے بھی لازمی ہے۔ ان سے زمین کی سطح کی شکل وصورت بنتی ہے۔ اگر زمین سورج کے زیادہ قریب ہوتی تو یہ سارا پانی بخارات بن کر اڑ جاتا اور اگر کچھ زیادہ دور ہوتی تو یہ سارا پانی برف میں تبدیل ہوجاتا۔ سطح زمین کے تقریباً دو تہائی حصے پر بحر اور سمندر پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک طویل عرصے سے یہ خیال پایا جاتا ہے کہ سطح ارض کے بقیہ ایک تہائی پر موجود براعظم ہمیشہ سے اپنے اپنے مقام پر واقع ہیں لیکن آہستہ آہستہ کچھ ارضیاتی سائنسدانوں نے یہ کہنے کی ہمت کی ہے کہ ان براعظموں میں ہٹاؤ واقع ہوتے رہے ہیں اور بالآخر 1960ء کے عشرے میں محققین نے بحری سطح کے پھیلاؤ اور "زمینی سطح کی تشکیل (Plate tectonics)" کی واضح تصویر پیش کی۔ اس نظریے کے تحت اب یہ تصور عام ہے کہ مسلسل حرکت کے باوجود یہ براعظم سطح ارض کے قدیم ترین حصے ہیں جبکہ بحری سطح پتلے کناروں پر پیدا ہوتی ہے اور کھائیوں میں گم ہوجاتی ہے اور وقت کے ارضیاتی پیمانے پر یہ ایک مختصر عرصہ ہے۔ دوسرے سیارے مثلاً مریخ اور زہرہ کی سطحوں پر بھی ایسی علامات پائی جاتی ہیں جن سے وہاں بھی "قشری قاب" کے عمل کا اظہار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مختلف النوع اشیاء تخلیق کی ہیں اور اسی طرح اس پورے نظامِ شمسی میں زمین کا مقام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

زمین کا محور

ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ زمین گول ہے اور سورج کے گرد گردش کررہی ہے۔ زمین سورج کے گرد جس راستے پر گردش کرتی ہے اسے زمین کا مدار کہتے ہیں۔ زمین کا مدار بیضوی ہے۔ اس لیے زمین کا فاصلہ سورج سے کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ۔ اس کے علاوہ زمین اپنے مدار پر عمودی حالت میں گردش نہیں کرتی کیوں کہ اس کا محور مستوئ ارض (Plane of earth) سے 66.5 درجے پر جھکا ہوا ہے۔ گردش کے دوران زمین کی مختلف حالتیں اور جھکاؤ موسموں کو جنم دیتے ہیں اور دن اور رات کے اوقات میں فرق پیدا کرتے ہیں یعنی سارا سال دن اور رات کا دورانیہ مختلف ہوتا ہے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کبھی گرمی ہوتی ہے اور کبھی سردی، کبھی موسم بہار ہوتا ہے، درخت پتوں اور پھولوں سے لدے ہوتے ہیں اور پھر خزاں کا موسم آتا ہے اور درختوں کے پتے پیلے رنگ کے ہوکر گرجاتے ہیں اور صرف درختوں کی ٹہنیاں ہی نظر آتی ہیں۔ ان موسمی حالات کا تعلق زمین کے سورج سے فاصلے اور اپنے بیضوی مدار پر زمین کے مقام پر ہے۔ زمین

کے جھکاؤ کی وجہ سے اور گردش کے دوران زمین کے کسی خاص حصے سے سورج کے فاصلے کی وجہ سے کبھی دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔
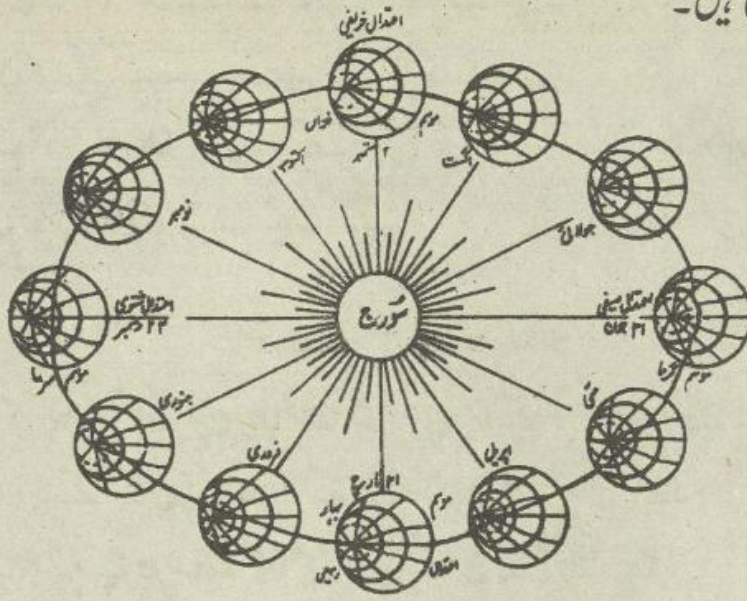
زمین کا محور

اگر زمین کا مدار بالکل گول ہوتا اور زمین عمودی حالت میں اپنے محور پر گھومتی تو دن اور رات برابر ہوتے اور موسم بھی سال بھر ایک جیسے ہوتے۔ اپنے بیضوی مدار کے ساتھ سورج کے گرد زمین کی گردش کو مداری گردش کہتے ہیں اور اپنے محور پر زمین کی گردش کو ''محوری گردش'' کہتے ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:۔

1۔ کائنات کسے کہتے ہیں؟

2۔ کائنات کسے کہتے ہیں؟

3۔ نظامِ شمسی کسے کہتے ہیں؟

4۔ نظامِ شمسی میں کتنے سیارے ہیں؟

5۔ زمین اور سورج کے درمیان کا فاصلہ کتنا ہے؟

6۔ سورج سے ہمیں کیا کیا فائدے ہیں؟

7۔ چاند گرہن کیوں ہوتا ہے؟

8۔ زمین کی محوری گردش کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) بریکٹ میں دیئے ہوئے الفاظ سے جملے مکمل کیجئے۔

(i) زمین جس نظام کا حصہ ہے اسے نظام .... کہتے ہیں۔ (قمر۔قدرت۔شمسی)

(ii) نظامِ شمسی کا مرکز .... ہے۔ (سورج۔چاند۔زمین)

(iii) ....زمین کا ذیلی سیارہ ہے۔ (چاند۔عطارد۔زہرہ)

(iv) زمین کی دوسری طرف .... ہے۔ (زہرہ۔مریخ۔زحل)

(ج) سرگرمیاں:

1۔ نظامِ شمسی کا خاکہ بنایئے اور اپنی جماعت میں اس خاکے کا مظاہرہ کیجئے۔ اپنے استاد سے رہنمائی حاصل کیجئے اور اس خاکے (ماڈل) کو بنانے کے لیے مختلف اشیاء استعمال کیجئے۔

2۔ چاند گرہن کا خاکہ بنا کر اپنے دوست کو سمجھائیں کہ چاند گرہن کیوں ہوتا ہے؟

3۔ چاند کی سطح پر خلائی جہاز یا چاند گاڑی کے اترنے کے بارے میں معلومات اکٹھی کیجئے۔

4۔ خاکہ بنا کر بتایئے کہ دن اور رات کیسے بنتے ہیں۔

5۔ چاند کی اشکال کو ایک مہینے تک مسلسل دیکھتے رہیئے اب اپنی کلاس میں اس کے متعلق بتایئے ۔

اضافی سرگرمی:

1۔ معاشرتی علوم کے استاد کو چاہیے کہ طلباء کو کراچی میں پی آئی اے کے مرکز سیارگان (Planetarium) لے جائیں اور طلباء سے کہیں کہ اس موضوع پر مضمون لکھیں۔

کرۂ ارض پر پانی اور خشکی کی تقسیم

روئے زمین پر خشکی اور پانی کی تقسیم یکساں نہیں۔ پانی کی سطح کا رقبہ خشکی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ دنیا کے کل رقبے کے 71 فیصد حصے پر پانی ہے اور باقی 29 فیصد حصہ خشکی کا ہے۔

پانی کے وسیع علاقوں کو بحرِاعظم کہتے ہیں اور خشکی کے علاقوں کو براعظم کہتے ہیں۔ شمالی نصف کرۂ زمین میں خشکی کا حصہ پانی کی نسبت زیادہ ہے جبکہ جنوبی کرۂ زیادہ تر پانی پر مشتمل ہے۔

خشکی کے علاقوں کو بڑے بڑے خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کو براعظم کہتے ہیں۔ ہر براعظم کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ دنیا کے نقشے پر پانی اور خشکی کی تقسیم اور براعظموں اور سمندروں کو دکھایا گیا ہے۔ دنیا میں سات براعظم ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

1۔ براعظم ایشیا
2۔ براعظم یورپ
3۔ براعظم افریقہ
4۔ براعظم شمالی امریکہ
5۔ براعظم جنوبی امریکہ
6۔ براعظم آسٹریلیا
7۔ براعظم انٹارکٹیکا

ان براعظموں کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کا الگ الگ ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

1۔ براعظم ایشیا

آبادی اور رقبے کے لحاظ سے، براعظم ایشیا دنیا کا سب سے بڑا براعظم ہے۔ یہ تین اطراف سے بڑے سمندروں یا بحرِاعظموں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، مشرق میں بحرالکاہل اور جنوب میں بحرِ ہند واقع ہے۔ مغرب میں براعظم یورپ ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی کھاڑیاں، خلیج اور چھوٹے چھوٹے سمندر ساحلوں کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں جن کی لمبائی 62000 کلومیٹر ہے۔

براعظم ایشیا میں دنیا کے بلند و بالا پہاڑوں کے سلسلے واقع ہیں۔ وسط ایشیا میں کوہ پامیر کا سلسلہ ہے جو تاجکستان، افغانستان اور چین سے گزرتا ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں کوہ ہمالیہ کا سلسلہ ہے جو دو ہزار چار سو کلومیٹر (2400 km) طویل ہے۔ کوہ ہمالیہ کا سلسلہ مغرب میں پاکستان و بھارت کی سرحد سے مشرق میں بھارت اور میانمار (برما) کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ کوہ قراقرم کا سلسلہ مغربی ہمالیہ کے قریب شمال میں واقع ہے۔ ان دونوں سلسلوں میں دنیا کی دو بلند ترین چوٹیاں ماؤنٹ ایورسٹ اور کے ٹو واقع ہیں۔ ماؤنٹ ایورسٹ تبت اور نیپال کی سرحد پر واقع ہے (ان کے علاوہ کنچن جنگا
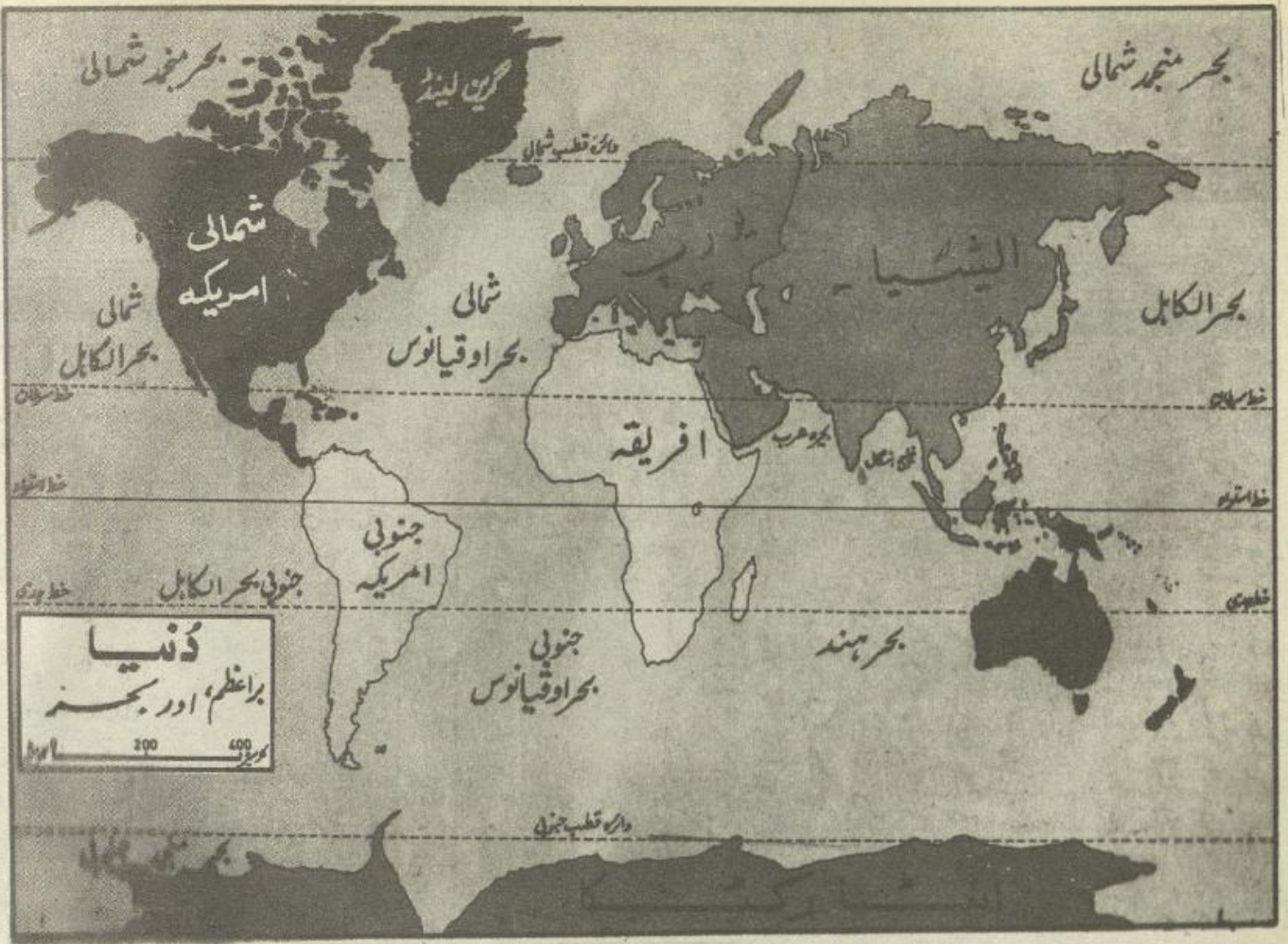
اور ترچ میر بھی بلند ترین چوٹیوں میں شمار کی جاتی ہیں)۔

براعظم ایشیا میں دنیا کے چند اہم دریا بھی بہتے ہیں جن میں دریائے آمو، دریائے ہوانگ ہو، دریائے سندھ، دریائے گنگا اور دریائے ینگ سی کیانگ قابل ذکر ہیں۔

جنوبی ایشیا کے بڑے دریاؤں کا منبع ہمالیہ ہے۔ دریائے گنگا ہمالیہ کے مغرب سے نکلتا ہے اور مشرق میں بھارت سے گزرتا ہوا خلیج بنگال کے شمال میں دریائے برہم پترا سے جاملتا ہے۔ برہم پترا کا منبع ماوزائے ہمالیہ (ہمالیہ سے آگے) واقع ہے اور یہ خلیج بنگال میں گرتا ہے۔ دریائے سندھ ہمالیہ کے مغربی سرے سے نکلتا ہے اور پھر جموں، کشمیر اور پورے پاکستان سے گزرتا ہوا بحیرۂ عرب میں جاگرتا ہے۔ جنوب مغربی ایشیا کے اہم دریاؤں میں دجلہ اور فرات شامل ہیں۔ دونوں دریا ترکی سے نکلتے ہیں پھر جنوب کی جانب بہتے ہوئے شام اور عراق سے گزرتے ہیں۔ یہاں یہ دونوں دریا مل جاتے ہیں اور پھر خلیج فارس میں گرجاتے ہیں۔ جنوب مشرقی سائبیریا میں واقع جھیل بیکال (Lake Baykal) دنیا کی سب سے گہری اور ایشیا کی میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔

ایشیا کے جنوبی حصہ میں کوہ ہمالیہ اس براعظم کے ایک بڑے ٹکڑے کو اس کے باقی علاقوں سے جدا کرتا ہے اس کو برصغیر جنوبی ایشیا کہتے ہیں۔ اس میں پاکستان، بھارت، نیپال، بنگلہ دیش، سری لنکا، مالدیپ اور بھوٹان کے ممالک شامل ہیں۔

دنیا کے سمندر اور براعظم
N
پیمانہ
۰ کلومیٹر
۲۰۰
کلومیٹر ۴۰۰
بحرِ منجمد شمالی
بحرِ منجمد شمالی
شمالی امریکہ
یورپ
ایشیا
شمالی بحرِ اوقیانوس
افریقہ
خلیج بنگال
بحرالکاہل
بحرالکاہل
جنوبی امریکہ
بحرِ ہند
آسٹریلیا
انٹارکٹیکا
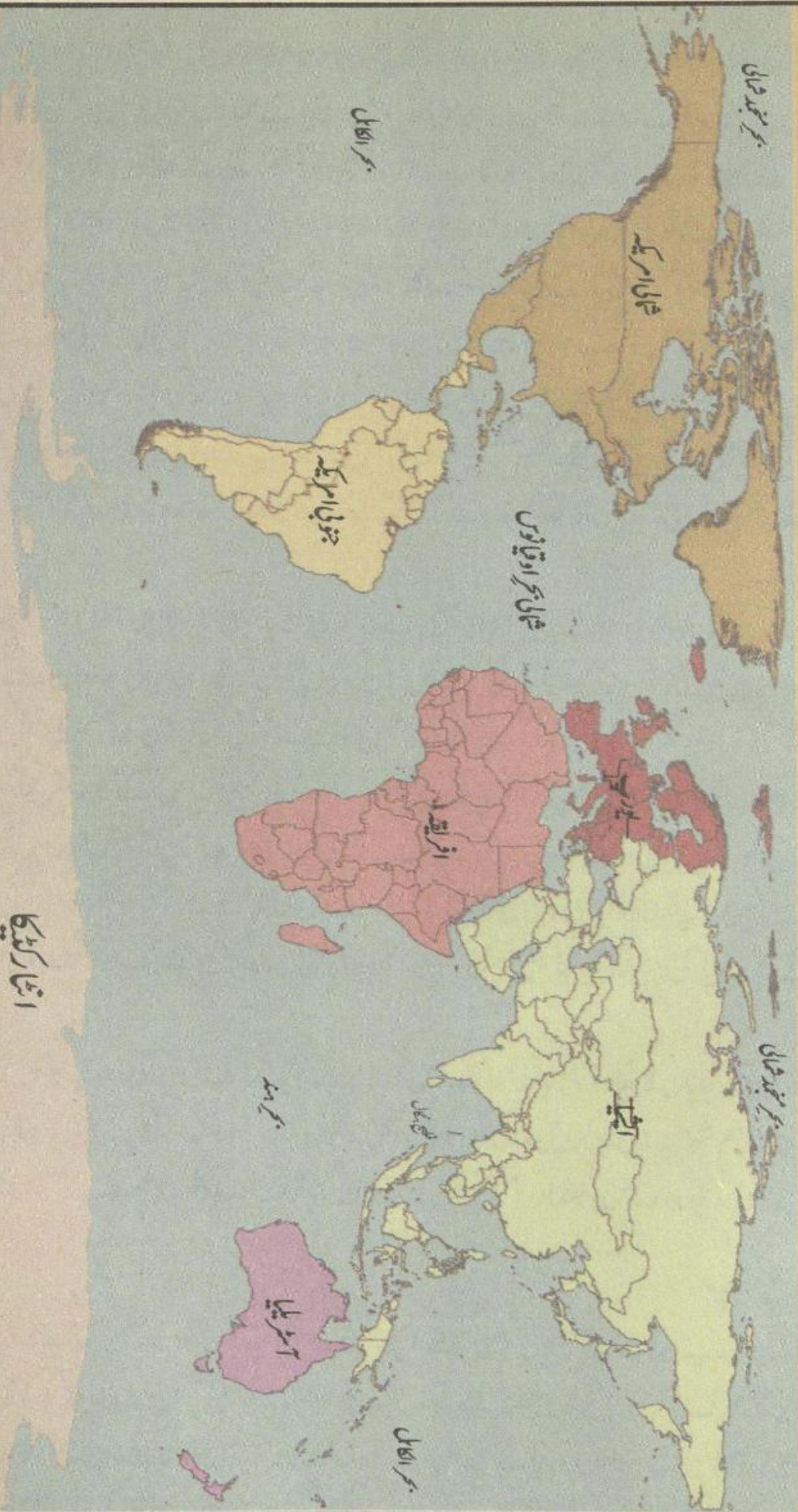
ان ممالک کے علاوہ براعظم ایشیا میں چین، جاپان، کوریا، ویت نام، انڈونیشیا، ملائیشیا، میانمار، افغانستان، ایران، عراق، شام، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، اومان اور وسطی ایشیا کے ممالک شامل ہیں۔ کسی بھی دوسرے براعظم کے مقابلے میں ایشیا کے عوام میں زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔ اس وسیع براعظم کے کچھ علاقوں میں آبادی بہت زیادہ گھنی ہے۔ جبکہ کچھ علاقوں مثلاً جنوب مشرقی ایشیا، شمالی اور اندرونی حصے اور جنوب مغربی ایشیا میں آبادی کا تناسب بہت کم ہے۔

جنوب مغربی ایشیا اور وسطی ایشیا کے ممالک اور بنگلہ دیش، پاکستان، ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اسلام سب سے نمایاں مذہب ہے۔ بھارت کا خاص مذہب ہندومت ہے۔ بدھ مت کا آغاز اگرچہ کہ شمال مشرقی بھارت میں ہوا تھا مگر یہاں اب اس کے پیروکار بہت کم رہ گئے ہیں لیکن بدھ مت اب سری لنکا، میانمار، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، جنوبی کوریا، ویت نام اور جاپان کے اہم مذاہب میں سے ایک ہے۔ کنفیوشس مت کی حیثیت مذہب سے زیادہ سماجی اور اخلاقی ضابطۂ حیات کی ہے۔ اس نے چین میں عروج پایا۔ جاپان کا قدیم مذہب ''شنتو'' ہے۔ عیسائیت کا نمائندہ روسی راسخ العقیدہ کلیسا کی مذہب روس کا خاص مذہب ہے۔

ایشیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان چینی ہے۔ جنوبی ایشیا یعنی پاکستان، جموں اور کشمیر اور بھارت میں کروڑوں افراد اردو یا ہندی بولتے ہیں یہ ''ہند آریائی'' زبانیں ہیں اور زبانوں کے ہند ایرانی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

براعظم ایشیا کی آبادی تقریباً پونے چار ارب (3.73 بلین) ہے۔ مشرقی ایشیا میں براعظم کی تقریباً چالیس فی صد آبادی رہتی ہے اور جنوب اور وسط ایشیا میں مزید چالیس فی صد لوگ آباد ہیں۔ اس کے بعد تقریباً پندرہ فیصد آبادی جنوب مشرقی ایشیا میں اور بقیہ پانچ فیصد مغربی ایشیا میں ہے۔ چین اور بھارت میں مشترکہ طور پر تقریباً سوا دو ارب (2.3 بلین) افراد رہتے ہیں۔ یہ تعداد دنیا کی آبادی کی ایک تہائی سے بھی زائد ہے۔

اس علاقے میں دنیا کی چند قدیم تہذیبیں مثلاً وادئ سندھ کی تہذیب، چینی تہذیب اور گنگ و جمن تہذیب پروان چڑھی ہیں۔

ایشیا میں چین اور جاپان کا شمار ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔ بقیہ ممالک ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہیں۔
ایشیا کے چند اہم شہر یہ ہیں۔ کراچی، لاہور، دہلی، ممبئی، کول کتہ، ڈھاکہ، سنگاپور، منیلا، جکارتہ، بنکاک، ٹوکیو، بیجنگ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ، ریاض، بغداد، دمشق، کویت، تہران، تاشقند اور دوشنبہ وغیرہ۔

2۔ براعظم یورپ

روایتی طور پر یورپ سات براعظموں میں سے ایک ہے۔ اگرچہ اس کو براعظم کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ ''یوریشین'' خطہ ارض کا صرف مغربی پانچواں حصہ ہے جبکہ بقیہ پورا خطہ ایشیا پر مشتمل ہے۔ جدید جغرافیہ دان سلسلہ کوہ یورال (Ural) اور بحیرہ کیسپین کے معاون دریائے یورال اور سلسلہ کوہ کاوکیسس (Caucasus) کو ایشیا اور یورپ کے درمیان اصل سرحد تسلیم کرتے ہیں۔ یورپ کا لفظ مصری دیومالا کی دیوی فقنیس (Phoenix) کی بیٹی ''یوروپا Europa'' سے نکلا ہے یا پھر غروب آفتاب کے ہم معنی فنقی لفظ ''اریب Ereb'' سے اخذ کیا گیا ہے۔

یورپ دنیا کا دوسرا سب سے چھوٹا براعظم ہے (سب سے چھوٹا براعظم آسٹریلیا ہے)۔ اس کا رقبہ 10,35,5000 مربع کلومیٹر ہے۔ (یعنی رقبے کے لحاظ سے چھٹے نمبر پر ہے) لیکن اس کی آبادی تیسرے نمبر پر ہے۔ 2000ء کے مطابق یورپ کی آبادی 726 ملین ہے۔

براعظم یورپ دنیا کا انتہائی ترقی یافتہ براعظم ہے۔ اس کے مشرق میں براعظم ایشیا، مغرب میں بحراوقیانوس، شمال میں بحرِ منجمد شمالی اور جنوب میں بحیرۂ روم واقع ہیں۔ رقبے کے لحاظ سے یہ براعظم چھٹے نمبر پر ہے۔ یورپ طویل عرصے سے عظیم ثقافت اور معاشی ترقی و خوشحالی کا مرکز رہا ہے۔ قدیم یونانیوں اور رومیوں نے عظیم تہذیبوں کو پروان چڑھایا۔ یہ تہذیبیں فلسفہ، ادب، فنونِ لطیفہ اور حکومتوں کی خدمات کے لیے مصروف ہیں۔

یورپ کے چند اہم ممالک یہ ہیں۔ جرمنی، برطانیہ، فرانس، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، پولینڈ، ہالینڈ (نیدرلینڈ)، اٹلی، اسپین، یونان، روس، یوکرین، بیلجیئم اور بیلوریشیا وغیرہ۔

براعظم یورپ کئی خصوصیات کی وجہ سے دنیا کے دوسرے براعظموں سے ممتاز ہے۔ ان میں معتدل آب و ہوا اور یورپ کا کٹا پھٹا ساحل شامل ہیں۔ معتدل آب و ہوا کی وجہ سے لوگ سارا سال مستعد اور جفاکش رہتے ہیں۔ کٹا پھٹا ساحل بہترین قسم کی بندرگاہوں کے لیے موزوں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی چند بہترین بندرگاہیں یورپ میں ہیں مثلاً لندن، ہیمبرگ، کوپن ہیگن اور روم وغیرہ۔ ماسکو، سینٹ پیٹرس برگ، پیرس، برلن، ویانا، وارسا، جنیوا اور زیورچ وغیرہ دیگر اہم شہر ہیں۔ یورپ کے پہاڑوں کا سب سے اہم سلسلہ کوہ الپس ہے۔ یورپ قدرتی وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ ذرائع آمدورفت، زراعت اور صنعت انتہائی ترقی یافتہ ہیں۔

3۔ براعظم افریقہ

براعظم افریقہ کے مشرق میں براعظم ایشیا اور بحرِ ہند واقع ہیں۔ مغرب میں بحرِ اوقیانوس، شمال میں بحیرۂ روم اور
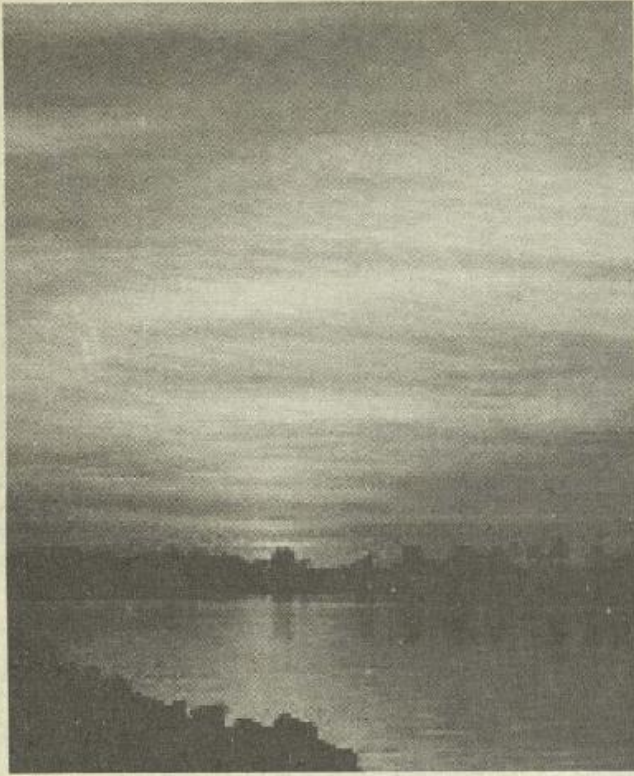
دریائے نیل

جنوب میں بحرِ ہند ہیں۔ براعظم افریقہ کے شمالی اطلس پہاڑوں کے علاوہ اس میں کوئی قابلِ ذکر پہاڑ نہیں ہیں۔ یہ براعظم رقبے کے لحاظ سے براعظم ایشیا کے بعد دوسرا بڑا براعظم ہے۔2000ء میں اس کی آبادی797 ملین تھی۔ براعظم افریقہ میں دنیا کا سب سے بڑا صحرا واقع ہے جس کو صحرائے اعظم (صحرائے صحارہ) کہتے ہیں۔ دریائے نیل اس براعظم کا اہم دریا ہے۔ افریقہ میں اہم بندرگاہیں بہت زیادہ نہیں ہیں کیوں کہ اس کا ساحل یورپ کے ساحل کی طرح کٹا پھٹا نہیں ہے۔ اسکندریہ اور پورٹ سعید (مصر) اور کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) مشہور بندرگاہیں ہیں۔

افریقہ کی زیادہ آبادی صحارا کے جنوبی علاقوں میں رہتی ہے۔ اس کو ''سب۔صحارا افریقہ (Sub-Sahara Africa) کہتے ہیں۔ اس علاقے یعنی مشرقی افریقہ میں ایتھوپیا(Ethiopia)، صومالیہ اور یوگنڈا جیسے ممالک شامل ہیں۔ وسط اور مغربی افریقہ میں انگولا، کیمرون، گھانا، نائیجیریا اور جمہوریہ کانگو (سابقہ زائر) شامل ہیں۔ جنوبی افریقہ یعنی ممالک میں جنوبی افریقہ کو برتری حاصل ہے۔ دیگر ممالک میں بوٹسوانا، لیسوتھو(Lesotho) اور نمیبیا شامل ہیں۔1950ء کے بعد سے بے شمار افریقی ممالک نے اپنے سابقہ غیر ملکی آقاؤں سے آزادی حاصل کرلی ہے۔

قاہرہ، طرابلس، خرطوم اور نیروبی مشہور شہر ہیں۔ افریقہ میں افزائش آبادی کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اسی لیے اس کو اپنی صنعتی اور سماجی ترقی کے سلسلے میں چیلنجوں کا سامنا ہے۔

4۔ براعظم شمالی امریکہ

یہ براعظم رقبے کے لحاظ سے دنیا کا تیسرا بڑا براعظم ہے۔ اس کے مشرق میں بحرِ اوقیانوس، مغرب میں بحرالکاہل، شمال میں بحرِ منجمد شمالی اور جنوب میں جنوبی امریکہ واقع ہیں۔ شمالی امریکہ کے ممالک میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ بلحاظ رقبہ دنیا کا تیسرا سب سے بڑا ملک ہے اور کینیڈا دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے جبکہ اور میکسیکو چودھواں بڑا ملک ہے۔ اسی براعظم میں دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرانسیسی زیرِاقتدار سینٹ پیرے اور میکوے لون اور برطانیہ کے زیرِتسلط برمودا (Bermuda) جزائر بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں علاقے بحرالکاہل میں چھوٹے

چھوٹے جزائر پر مشتمل ہیں۔ امریکہ کا نام غالباً اطالوی جہازراں اور مہم جو امیریگو ویس پوکی (Amerigo Vespucci) کے نام سے اخذ کیا گیا ہے جس نے 1497ء اور 1498ء میں شمالی امریکہ کی سیاحت کی تھی۔ اس براعظم کا رقبہ 23.7 ملین مربع کلومیٹر ہے۔

اس براعظم میں تین بہت عظیم ساحلی دندانے (کنگرے) ہیں یعنی شمال مشرق میں خلیج ہڈسن، جنوب مشرق میں خلیج میکسیکو اور شمال مغرب میں خلیج الاسکا۔

شمالی امریکہ کو پانچ بڑے طبعی یا قدرتی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اولاً کینیڈا کا مشرقی نصف، گرین لینڈ کا زیادہ بڑا حصہ، منّی سوٹا کے کچھ حصے اور ریاست ہائے متحدہ کا وسکون سن، مشی گن اور نیویارک پر مشتمل علاقہ، کینیڈین شیلڈ (یا سطح مرتفع لارنس) کا حصہ ہے۔ دوسرا علاقہ امریکہ کے مشرقی ساحل کے میدانوں اور میکسیکو پر مشتمل ہے۔ امریکہ میں ساحلی میدان مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں اور تیسرا حصہ بنارہے ہیں۔ اس میں انڈیز کا تنگ سلسلہ کوہ اور پہاڑیاں شامل ہیں۔ ان میں قابل ذکر کوہ اپالاچی (Appalachian Mountains) ہے۔

چوتھا حصہ براعظم کے وسط پر مشتمل ہے جو جنوبی کینیڈا سے جنوب مغربی ٹیکساس تک پھیلا ہوا ہے۔

شمالی امریکہ کا پانچواں حصہ انتہائی مغربی علاقہ ہے جس میں میکسیکو کا زیادہ رقبہ شامل ہے۔ اور کوہ سازی کے عامل علاقے کی حیثیت سے مصروف ہے۔ اس کی تازہ ارضیاتی تاریخ اس کی آتش فشانی سرگرمیوں سے معمور ہے۔

2002ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی آبادی 280.5 ملین سے کچھ زیادہ، کینیڈا کی 300.19 ملین، میکسیکو کی 103.4 ملین اور گرین لینڈ کی چھپن ہزار (56,000) نفوذ پر مشتمل تھی۔

شمالی امریکہ کے دوممالک یعنی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا انتہائی ترقی یافتہ ممالک ہیں جبکہ میکسیکو ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ براعظم شمالی امریکہ کے مشہور پہاڑی سلسلہ کو کوہ راکی کا سلسلہ کہتے ہیں اور یہاں کا سب سے اہم دریا مِس سی سی پی کہلاتا ہے۔

اس براعظم کو یورپی اقوام نے دریافت اور آباد کیا جن میں ہسپانوی، انگریز اور فرانسیسی قابل ذکر ہیں۔ ان ترقی یافتہ قوموں نے شمالی امریکہ کے قدرتی وسائل کو نہایت اچھی طرح استعمال کیا جس کی وجہ سے شمالی امریکہ کے ممالک نہایت ترقی یافتہ ممالک بن گئے ہیں۔

اس براعظم کے مشہور شہروں میں نیویارک، واشنگٹن، لاس اینجلس، شکاگو، ڈیٹرائٹ، ہوسٹن، فلاڈیلفیا اور سان ڈیاگو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اور اوٹاوہ، مانٹریال، کوبیک، وینکوورہ، ایڈمنٹن اور ٹورنٹو کینیڈا میں اور میکسیکو سٹی، گواڈال یارا اور مونٹیری، میکسیکو میں ہیں۔

5۔ براعظم جنوبی امریکہ

کرۂ ارض کے ساتوں براعظموں میں چوتھا سب سے بڑا براعظم (ایشیا، افریقہ اور شمالی امریکہ کے بعد) جنوبی امریکہ ہے۔ اس کا رقبہ 17,820,900 مربع کلومیٹر یا کرۂ ارض کی سطح کا 12 فیصد ہے۔ یہ خط استوا سے خط جدی تک پھیلا ہوا ہے اور شمال میں خاکنائے پاناما (Isthmus of Panama) اور وسطی اور شمالی امریکہ سے جاملتا ہے۔ براعظم جنوبی امریکہ کے مشرق میں بحراوقیانوس اور مغرب میں بحرالکاہل، شمال میں براعظم شمالی امریکہ اور جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی واقع ہیں۔

جنوبی امریکہ کی آبادی اندازاً 348 ملین نفوس پر مشتمل ہے۔ جو دنیا کی کل آبادی کا تقریباً چھ فی صد ہے۔ اس براعظم میں بارہ ممالک شامل ہیں جس میں دس یعنی ارجنٹینا، بولیویا، برازیل، چلی، کولمبیا، ایکواڈور، پیراگوئے، پیرو، یوراگوئے اور وینزویلا لاطینی ہیں۔ اس کے دو ممالک یعنی گیانا، برطانیہ کے زیرتسلط اور سری نام (Suriname) نیدرلینڈ کے زیرتسلط تھا۔ جنوبی امریکہ میں فرانس کی نو آبادی میں فرانسیسی گیانا بھی شامل ہے۔

اس خطے کے زیادہ تر لوگ ہسپانوی بولتے ہیں۔ اس براعظم کے ممالک شمالی امریکہ کے ممالک کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ ہیں۔

جنوبی امریکہ میں کوہ انڈیز کا مشہور سلسلہ ہے جو دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سلسلہ کوہ ہے۔ اس کے میدانی علاقوں میں براعظم کے استوائی علاقے میں دریائے امیزن کا وسیع وعریض طاس شامل ہے۔ دریائے امیزن دنیا کا دوسرا سب سے بڑا دریا ہے۔ جنوبی امریکہ کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔

اس براعظم کے چند مشہور شہر یہ ہیں۔ ریوڈی جنیرو، بوئینس آئرز، برازیلیا اور ساؤ پالو۔ جنوبی امریکہ کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے خاص طور سے منطقہ حارہ کے ترقی پذیر ممالک میں افزائش نسل کی شرح بہت زیادہ ہے اور اس براعظم کے تمام حصوں میں شہری آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ پورے براعظم میں آبادی کا اوسط تناسب 20 افراد فی مربع کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ 1998ء میں اس براعظم کی کل آباد 331 ملین تھی۔ اس براعظم کے بارہ میں سے نو ممالک کی سرکاری زبان ہسپانوی ہے اور کل آبادی کے تقریباً نوے فیصد افراد مذہباً رومن کیتھولک ہیں۔

6۔ براعظم آسٹریلیا

ایشیا کے جنوب مشرق میں واقع براعظم آسٹریلیا ایک بڑا جزیرہ ہے اور قریبی واقع تسمانیہ کے جزیرے کے ساتھ

مل کے یہ ''دولت مشترکہ آسٹریلیا'' تشکیل دیتا ہے جو اقوام کی دولت مشترکہ کا ایک خودمختار ملک ہے۔ یہ براعظم شمال میں بحیرۂ تیمور، بحیرۂ آرافورا اور آبنائے طورس (Torres Strait)، مشرق میں بحیرۂ کورال اور بحیرۂ تسمان، جنوب میں آبنائے باس اور بحرِ ہند اور مغرب میں بھی بحرِ ہند سے گھرا ہوا ہے۔

یہ دنیا کا سب سے چھوٹا لیکن آبادی کے لحاظ سے چھٹا براعظم ہے۔ 1998ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس براعظم کی آبادی 18.7 ملین ہے۔

دولتِ مشترکہ آسٹریلیا چھ ریاستوں اور دو علاقہ جات پر مشتمل ہے۔ ریاستوں میں نیوساؤتھ ویلز، کوئینز لینڈ، ساؤتھ آسٹریلیا، تسمانیہ، وکٹوریا اور ویسٹرن آسٹریلیا شامل ہیں جبکہ علاقہ جات میں آسٹریلین کیپٹل علاقہ جات اور ناردرن ٹیری ٹوری (علاقہ جات) شامل ہیں۔

آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو براجین (Aborigin) کہلاتے ہیں تقریباً چالیس ہزار برس قبل نقل مکانی کر کے وہاں پہنچے تھے۔ اس براعظم میں بھی یورپی اقوام خاص کر برطانوی نسل کے لوگ آ کر آباد ہوئے ہیں۔ براعظم آسٹریلیا دو بڑے ممالک اور کئی جزیروں پر مشتمل ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ دو بڑے ملک ہیں۔ آسٹریلیا کا زیادہ تر حصہ صحرا پر مشتمل ہے اور آبادی صرف ساحلی علاقوں تک محدود ہے۔ مشرقی، شمالی اور جنوبی ساحلوں کے قریب زیادہ گنجان آباد علاقے ہیں۔ آسٹریلیا کی آب و ہوا ہر علاقے میں مختلف ہے لیکن موسم انتہائی سخت نہیں ہے بلکہ معتدل ہے۔

یہ براعظم آسٹریلیا بھیڑوں اور مویشیوں کے پالنے کے لیے بہت مشہور ہے۔ یہاں کے مشہور شہروں میں سڈنی، پرتھ، ایڈیلیڈ، میلبورن، ویلنگٹن اور آک لینڈ قابل ذکر ہیں۔

7۔ براعظم انٹارکٹیکا (Antarctica)

کرۂ ارض کے سات براعظموں میں انٹارکٹیکا پانچواں بڑا براعظم ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ براعظم یورپ اور آسٹریلیا دونوں سے بڑا ہے۔ اس کا رقبہ 14 ملین مربع کلومیٹر ہے۔

یہ ایک غیر آباد براعظم ہے۔ یہاں سارا سال انتہائی سخت سردی پڑتی ہے اور سینکڑوں میٹر گہری برف کی تہہ جمی رہتی ہے۔ یہاں مستقل طور پر کوئی نہیں رہتا۔ صرف سائنسی تحقیقات کے لیے مختلف ممالک کے سائنس دان اس براعظم کے شمالی ساحلی علاقے کے نزدیک تجربات کرتے رہتے ہیں۔ یہاں آنے والے زیادہ تر سائنس دان ترقی یافتہ ممالک کے ہوتے ہیں مثلاً امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور آسٹریلیا۔ پاکستان نے بھی یہاں ایک تحقیقاتی اسٹیشن قائم کیا ہے۔

سات ممالک یعنی ارجنٹائن، آسٹریلیا، برطانیہ، چلّی، فرانس، نیوزی لینڈ اور ناروے انٹارکٹیکا کے علاقوں کے دعوے دار ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ انٹارکٹیکا میں پورے کرۂ ارض کی نوے فیصد برف موجود ہے۔

براعظموں کا گوشوارہ

نمبر شمار	براعظم	رقبہ مربع کلومیٹر میں	کرۂ ارض کا فیصد	آبادی	عالمی آبادی کا فیصد
.1	ایشیا	44,027,410	29.7	2,850,567,000	59.9
.2	یورپ	10,404,030	7.0	696,433,000	14.6
.3	افریقہ	30,271,920	20.4	531,000,000	11.2
.4	شمالی امریکہ	24,257,940	16.3	395,000,000	8.3
.5	جنوبی امریکہ	17,821,790	12.0	262,400,000	5.5
.6	آسٹریلیا	7,681,940	5.2	15,500,000	0.3
.7	انٹارکٹیکا	13,209,000	8.9	-	-

سمندر

خشکی کی طرح کرۂ آب کو بھی مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ سمندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن انھیں ان علاقوں کی نسبت سے نام دیے گئے ہیں جن کو یہ گھیرے ہوئے ہیں۔ سمندر پانچ ہیں اور ان کے نام یہ ہیں۔ بحرالکاہل، بحراوقیانوس، بحرِ ہند، بحرِمنجمد شمالی، بحرِ منجمد جنوبی۔ ان بحروں کے مزید کئی چھوٹے چھوٹے حصے ہیں جنھیں بحیرے، خلیجیں اور آبنائے کہتے ہیں مثلاً بحیرۂ روم، بحیرۂ عرب، بحیرۂ چین، خلیج بنگال، خلیج میکسیکو، آبنائے باسفورس اور آبنائے ملاکا وغیرہ۔

1- بحرالکاہل (Pacific Ocean)

یہ دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے۔ زمین کے ایک تہائی حصے پر پھیلا ہوا ہے اور زمین کا نصف سے زائد کھلا پانی اس میں موجود ہے۔ اس کو کبھی کبھار دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ خط استوا کے شمال کا حصہ ''شمالی بحرالکاہل'' اور خط استوا کے جنوب کا حصہ ''جنوبی بحرالکاہل'' کہلاتا ہے۔ ''الکاہل'' کے لفظی معنی پرسکون (پر امن) کے ہیں اور ایک پرتگیزی جہازراں فرڈی ننڈ ماگیلان (Ferdinand Magellan) نے 1520ء میں یہ نام تجویز کیا تھا۔

بحرالکاہل کے مشرق میں شمالی و جنوبی امریکہ، مغرب میں ایشیا اور آسٹریلیا، شمال میں بحرمنجمد شمالی اور جنوب میں بحرمنجمد جنوبی واقع ہیں۔ موجودہ سمندروں میں بحرالکاہل کا طاس سب سے زیادہ قدیم ہے۔ اس کی قدیم ترین چٹانوں کی عمر کا اندازہ تقریباً 200 ملین (200 کروڑ) سال لگایا گیا ہے۔ بحرالکاہل میں تیس ہزار سے زائد جزائر ہیں لیکن ان کا زمینی رقبہ اس سمندر کے کل سطحی رقبہ کا 0.25 فیصد سے بھی کم ہے۔

یہ سمندر زمین کے ایک تہائی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بہت سے بحیرے (چھوٹے سمندر) مثلاً بحیرۂ جاپان، بحیرۂ جنوبی چین اور بحیرۂ مشرقی چین وغیرہ شامل ہیں۔ اس سمندر کی اوسط گہرائی تقریباً چار کلومیٹر ہے۔ سب سے زیادہ گہرائی فلپائن کے قریب پائی جاتی ہے۔

اس بحر کے ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں جو زلزلوں کے لیے مشہور ہیں بحرالکاہل بے شمار چھوٹے بڑے جزیروں سے بھرا پڑا ہے جن میں جزائر فلپائن، جزائر جاپان، جزائر ہوائی مشہور ہیں۔ یہ سمندر بین الاقوامی تجارت کے لیے زیادہ اہم نہیں ہے۔

2- بحرِ اوقیانوس (Atlantic Ocean)

کرۂ ارض کے پانچ بحروں میں بحرِ اوقیانوس دوسرا سب سے بڑا سمندر ہے اور سفر کے لیے سب سے زیادہ استعمال میں آتا ہے۔ صرف بحرالکاہل اس سے بڑا ہے جس کا رقبہ بحرِ اوقیانوس سے دوگنا ہے۔ اوقیانوس کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ خطِ استوا کے شمال کا حصہ، شمالی اوقیانوس اور خط استوا کے جنوب کا حصہ جنوبی اوقیانوس کہلاتا ہے۔ اس سمندر کا نام یونانی دیومالائی طیطان دیوتاؤں میں سے ایک ''اطلس Atlas'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے مشرق میں یورپ اور افریقہ کے براعظم، مغرب میں شمالی اور جنوبی امریکہ کے براعظم، شمال میں بحرِ منجمد شمالی اور جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی واقع ہیں۔ اس سمندر کی اوسط گہرائی تقریباً سوا تین کلومیٹر تک ہے۔

بحرِ اوقیانوس دنیا بھر کی ایک عظیم بحری شاہراہ ہے۔ دنیا کی تجارت کا بیشتر حصہ اس سمندر کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مشرق میں براعظم یورپ کے ترقی یافتہ ممالک اور مغرب میں شمالی امریکہ کے ترقی یافتہ ممالک واقع ہیں جہاں سے ساری دنیا کے لیے مختلف قسم کی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں اور دوسرے ممالک سے مختلف قسم کی چیزیں درآمد کی جاتی ہیں۔ بحرِ اوقیانوس میں دنیا کے سب سے زیادہ پیداواری اور افزائشی ماہی خانے ہیں جو اس کے ساحل پر واقع کھاڑیوں، آبناؤں، بحری ابھاروں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر جزائر برطانیہ، آئس لینڈ، کینیڈا (خاص طور سے نیو فاؤنڈ لینڈ کے اطراف عظیم ساحلوں) اور شمال مشرقی ریاست ہائے متحدہ میں ہیں۔

اس سمندر میں بھی بہت سے چھوٹے بڑے جزیرے پائے جاتے ہیں جن میں کیوبا اور ویسٹ انڈیز کے جزائر قابل ذکر ہیں۔ بحرِ اوقیانوس کے بحیروں میں بحیرۂ کریبی ین اور بحیرۂ روم مشہور ہیں۔ خلیجوں میں خلیج ہڈسن اور خلیج میکسیکو مشہور ہیں۔

3 ۔ بحرِ ہند (Indian Ocean)

یہ دنیا کا تیسرا بڑا سمندر ہے۔ اس کے مشرق میں آسٹریلیا اور آسٹریلیا کے جزائر، مغرب میں براعظم افریقہ، شمال میں ایشیا اور جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی اور انٹارکٹیکا واقع ہیں۔

بحرِ ہند اور بحرِ اوقیانوس کے درمیان کوئی قدرتی یا فطری حد فاصل نہیں ہے لیکن گرین وچ کے مشرق میں بیسویں سمت الراس (20th Meridian) سے گزرنے والا چار ہزار کلومیٹر طویل خط کو عموماً ان کی سرحد تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ خط افریقہ کے جنوبی سرے پر واقع کیپ اگولہاس (Cape Agulhas) کو انٹارکٹیکا سے ملاتا ہے۔

بحرِ ہند میں بے شمار جزائر شامل ہیں۔ بڑے جزائر میں مدغاسکر اور سری لنکا شامل ہیں۔ جبکہ چھوٹے جزائر میں مالدیپ اور ماریشس شامل ہیں۔

اس سمندر کے بحیروں اور خلیجوں کے نام یہ ہیں۔ بحیرۂ عرب، بحیرۂ قلزم، خلیج بنگال اور خلیج فارس۔ بحرِ ہند کے ساحلی علاقوں پر دنیا کی آبادی کا دو تہائی حصہ آباد ہے اس لیے اس کی تجارتی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

بحرِ ہند ایک قدیم آبی شاہراہ ہے۔ بین الاقوامی سمندری جہاز نہر سوئیز سے ہوکر اس میں داخل ہوتے ہیں۔ براعظم افریقہ کے جنوب کی طرف سے آنے والے سمندری جہاز بھی اس میں داخل ہوتے ہیں۔ بحرِ ہند کی کچھ بندرگاہیں یہ ہیں۔ ممبئی، چنائی، سرنگا پٹم اور کولمبو۔

4۔ بحرِ منجمد شمالی (Arctic Ocean)

کرۂ ارض کے پانچوں بحروں میں یہ سب سے چھوٹا بحر ہے۔ بحرِ منجمد شمالی، شمالی قطب کے جنوب سے یورپ، ایشیا اور شمالی امریکہ کے ساحلوں تک پھیلا ہوا ہے۔

بحرِ منجمد شمالی کی سطح کا پانی بحرالکاہل کے پانیوں سے جاملتا ہے لیکن اس کا کثیر حصہ منجمد ہے اس لیے جہازرانی اور تجارت کے لیے اس کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ یہاں بندرگاہیں بھی بہت کم ہیں کیوں کہ اس کا ساحل غیر آباد اور جہازرانی کے قابل نہیں رہتا ہے۔ یہ سمندر بحرِ اوقیانوس کے ساتھ گرین لینڈ کے مشرقی اور مغربی آبناؤں کے ذریعے اور بحر الکاہل کے ساتھ آبنائے بیرنگ کے ذریعے ملا ہوا ہے۔

بحرِ منجمد شمالی میں تین طرح کی برف ملتی ہے یعنی زمینی برف، دریائی برف اور بحری برف۔ زمینی برف اس سمندر میں برفانی تودہ یا آئس برگ کی شکل میں داخل ہوتا ہے۔ برفانی تودے گلیشیئر کی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں بنتے ہیں۔

5۔ بحرِ منجمد جنوبی (Antarctic Ocean)

یہ سمندر براعظم انٹارکٹیکا کے اردگرد پھیلا ہوا ہے۔ یہ شمال میں بحرِ ہند، بحرالکاہل اور بحرِ اوقیانوس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ سمندر بھی جہازرانی کے لیے موزوں نہیں ہے کیوں کہ یہ بھی سارا سال منجمد رہتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے اس سمندر کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔

دنیا کے سمندروں کا اوسط رقبہ، گہرائی اور حجم

نمبر شمار	بحر یا بحیرہ	اوسط گہرائی میٹر	اوسط گہرائی فٹ	اوسط رقبہ مربع کلومیٹر	اوسط رقبہ مربع میل	اوسط حجم مربع کلومیٹر (ملین میں)	اوسط حجم مربع میل (ملین میں)
.1	بحرالکاہل	4300	14000	165.7	64.0	707.6	169.9
.2	بحراوقیانوس	3900	12900	82.4	31.8	324.6	77.9
.3	بحرِ ہند	3900	12800	73.4	28.3	291	69.9
.4	بحرِ منجمد شمالی	1300	4300	14.1	5.4	17	4.1
.5	وسطی بحرہ آسٹریلیا	1200	3900	8.1	3.1	9.9	2.4
.6	خلیج میکسیکو و بحرہ غرب الہند	2200	7300	4.3	1.7	9.6	2.3
.7	بحیرۂ روم و بحیرۂ اسود	1430	4960	3.0	1.1	4.2	1
.8	بحیرۂ بیرنگ	1440	4720	2.3	0.9	3.33	0.8
.9	بحیرۂ آخوتسک	838	2750	1.6	0.6	1.3	0.3
.10	خلیج ہڈسن	101	331	1.2	0.5	0.16	0.04
.11	بحیرۂ شمالی	94	310	0.6	0.2	0.05	0.01
.12	بحیرۂ بالٹک	55	180	0.4	0.2	0.02	0.005
.13	بحیرۂ آئرلینڈ	60	200	0.1	0.04	0.006	0.001
.14	اودبار انگلستان	54	180	0.08	0.03	0.004	0.001

سمندر کی حرکات

کرۂ آب سطح کبھی ساکن نہیں رہتا بلکہ ہر وقت حرکت کرتا رہتا ہے۔ یہ حرکتیں تین قسم کی ہوتی ہیں:

(1) لہریں (2) مدوجزر (3) روئیں

لہریں

جب ہوا چلتی ہے تو پانی کی سطح متحرک (کبھی اوپر ہوتی ہے اور کبھی نیچے) ہوتی ہے اس کو ہم لہر کہتے ہیں۔ کسی

تالاب میں جہاں لہریں اٹھ رہی ہوں اگر ایک کارک کا ٹکڑا ڈال دیں تو معلوم ہوگا کہ لہریں تو مسلسل حرکت کر رہی ہیں لیکن کارک کا ٹکڑا لہروں کے ساتھ بہہ کر تالاب کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سفر نہیں کرتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ لہر ہمیں ایک طرف سے دوسری طرف چلتی ہوئی نظر نہیں آتی لیکن پانی اس کے ساتھ بہہ کر نہیں جاتا۔

بسا اوقات بہت بڑی بڑی لہریں ساحلوں پر بہت زیادہ قوت و طاقت سے ٹکراتی ہیں اور جان و مال کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ان کو کبھی کبھار مدوجزری لہریں بھی سمجھا جاتا ہے لیکن ان کی وجہ مدوجزر نہیں ہوتی۔ زلزلے، زیرِ سمندر آتش فشانوں کے پھٹنے اور زیرِ آب زمین کے تودوں کے کھلنے کی وجہ سے یہ اونچی اونچی مہیب لہریں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اس عمل کو طغیانی کہتے ہیں۔ سمندری طوفان میں پانی کا پورا قلعہ ساحلوں کا صفایا کرسکتا ہے اس کو طوفانی تموج کہتے ہیں۔

لہر کے وقت پانی کے قطرات اوپر نیچے اور آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں اور اپنی حرکت سے دوسرے قطرات کو بھی متحرک کر دیتے ہیں۔ ہلکی ہوا چل رہی ہو تو لہریں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔ تیز ہوا میں بڑی بڑی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ کھلے سمندر میں بڑی لہروں کی اونچائی تقریباً 15 میٹر تک ہوسکتی ہے۔ لہروں کے بلند ترین حصے کو چوٹی یا فراز اور پست ترین حصے کو نشیب کہتے ہیں۔ جب لہریں وسطِ سمندر سے بڑھتی ہوئی ساحل کے نزدیک پہنچتی ہیں تو ساحل سے زور وشور سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی ہیں۔

مدوجزر

ساحلی علاقوں کے رہنے والے لوگ مدوجزر یا جوار بھاٹا سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ مدوجزر سمندر کے پانی کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔ مدوجزر چاند اور سورج کی کشش کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سورج کی نسبت زمین پر چاند کی کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ چاند سورج کی نسبت زمین سے زیادہ قریب ہے۔ چاند اور زمین کے درمیان فاصلہ 385. ملین کلومیٹر ہے جبکہ زمین اور سورج کے درمیان فاصلہ 150 ملین کلومیٹر ہے۔

چوں کہ کششِ ثقل یا کشش جاذبہ (Force of gravity) فاصلہ کم ہونے کے ساتھ بڑھتی ہے اس لیے زمین کے اس حصے پر جو چاند کی جانب ہوتا ہے چاند کی کشش زیادہ ہوتی ہے جبکہ زمین کے دوسرے رخ پر فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے چاند کی کشش کم ہوجاتی ہے۔ قوتِ کشش کی اس کمی وبیشی کا زمین پر تو کوئی اثر نہیں ہوتا کیوں کہ زمین زیادہ غیر لچک دار یا سخت جان ہے۔ لیکن کرۂ ارض کے تمام سمندر، بحر وبحیرے مائع یا سیال ہیں اس لیے وہ چاند کی قوتِ کشش میں تبدیلی کے نتیجے میں متاثر ہوسکتے ہیں اور ان میں روانی پیدا ہوسکتی ہے۔ زمین کے اس رخ پر جو چاند کے سامنے ہوتا ہے وہاں چاند کی زیادہ طاقتور کشش سے پانی اس کی طرف کھنچتا ہے اور اس طرح چاند کے براہِ راست نیچے پانی گیند کی طرح بلند ہوجاتا ہے۔ چاند کے بالکل نیچے جو پانی کا گیند بنتا ہے اس کو ''راست لہر'' یا ''مد'' (یا جوار) کہتے ہیں۔ اور زمین کے دوسرے رخ پر بننے والا پانی کا گیند ''ضد لہر'' یا ''جزر'' (یا بھاٹا) کہلاتا ہے۔

سورج سے بھی زمین کے دونوں رخوں پر پانی کے ایسے ہی گیند تشکیل پاتے ہیں۔ مگر چوں کہ سورج سے بہت

زیادہ فاصلے پر ہے اس لیے اس کی مدوجزر پیدا کرنے کی قوت چاند کے مقابلے میں صرف نصف (تقریباً چھیالیس فیصد) ہے۔ مدوجزر کے کئی فائدے ہیں۔ مثلاً جہاں بندرگاہوں میں پانی کم گہرا ہو، وہاں بڑے جہاز آسانی سے لنگرانداز نہیں ہوسکتے لیکن مدوجزر کی وجہ سے پانی چڑھ جاتا ہے جس سے پانی کی گہرائی بھی بڑھ جاتی ہے اور بڑے جہاز آسانی سے ساحل کے قریب لنگرانداز ہوسکتے ہیں۔ مدرجزر کی لہریں اپنے ساتھ بیش قیمت سیپیاں بھی ساحلِ سمندر پر بچھا دیتی ہیں۔

روئیں

لہروں اور مدوجزر کے علاوہ اور ان کے برعکس جب سمندر کا پانی حقیقت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ دریا کی شکل میں بہنے لگتا ہے تو اس کو بحری رو کہتے ہیں۔ بحری رو کسی دریا کی طرح ایک مقررہ راستے پر چلتی ہے اور اس کا بھی اپنا پاٹ ہوتا ہے۔ دریا اور بحری رو میں فرق یہ ہے کہ دریا خشکی پر بہتا ہے اور رو سمندر میں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دریا کا پاٹ چھوٹا اور گہرائی کم ہوتی ہے جبکہ رو کا پاٹ بہت بڑا اور گہرائی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بحری رو کا پاٹ زیادہ سے زیادہ پانچ سو کلومیٹر اور گہرائی تقریباً 180 میٹر تک ہوتی ہے۔ بحری رو کی عام رفتار تین سے سولہ کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہوتی ہے۔

بحری رووٴں کے پیدا ہونے کے اسباب

جس طرح لہروں اور مدوجزر کے پیدا ہونے کے اسباب ہیں اسی طرح بحری روئیں بھی کئی وجوہات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

1۔ سمندر کے پانیوں کے درجۂ حرارت میں فرق

خط استوا کے علاقوں میں سورج کی شعاعیں عموداً پڑتی ہیں جس کی وجہ سے اس خطے کے سمندروں کا پانی گرم ہوتا ہے۔ گرم پانی چوں کہ ہلکا ہوتا ہے اس لیے یہاں سمندروں کی سطح نسبتاً اونچی ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس قطبی علاقوں میں سورج کی شعاعیں ترچھی پڑتی ہیں جن میں گرم کرنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں کے سمندر انتہائی ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ ٹھنڈا پانی بھاری ہوتا ہے اور سطح سمندر سے سمندر کی نیچے کی طرف بیٹھنے لگتا ہے۔ اس طرح استوائی علاقوں اور قطبی علاقوں کے درمیان ایک ڈھلان سی بن جاتی ہے جس کی وجہ سے بحری رو پیدا ہوجاتی ہے۔

2۔ سمندر کے پانیوں میں نمکیات یا نمک کی مقدار میں کمی بیشی

سمندر میں نمک کی مقدار میں کمی بیشی بھی درجۂ حرارت کی وجہ سے ہوتی ہے جن سمندروں میں درجۂ حرارت میں زیادتی کی وجہ سے عمل تبخیر زیادہ ہوتا ہے وہاں نمک کی مقدار یا اس کی نمکیات زیادہ ہوجاتی ہے۔ اس سے پانی بھاری ہوکر نیچے کی طرف بیٹھ جاتا ہے اور سمندر کے نیچے سے ایک رو کی شکل میں کم نمک والے سمندر کی طرف بہنے لگتا ہے۔ کم نمک والا پانی ہلکا اور تازہ ہوتا ہے اس لیے سطح سمندر کے قریب رہتا ہے۔
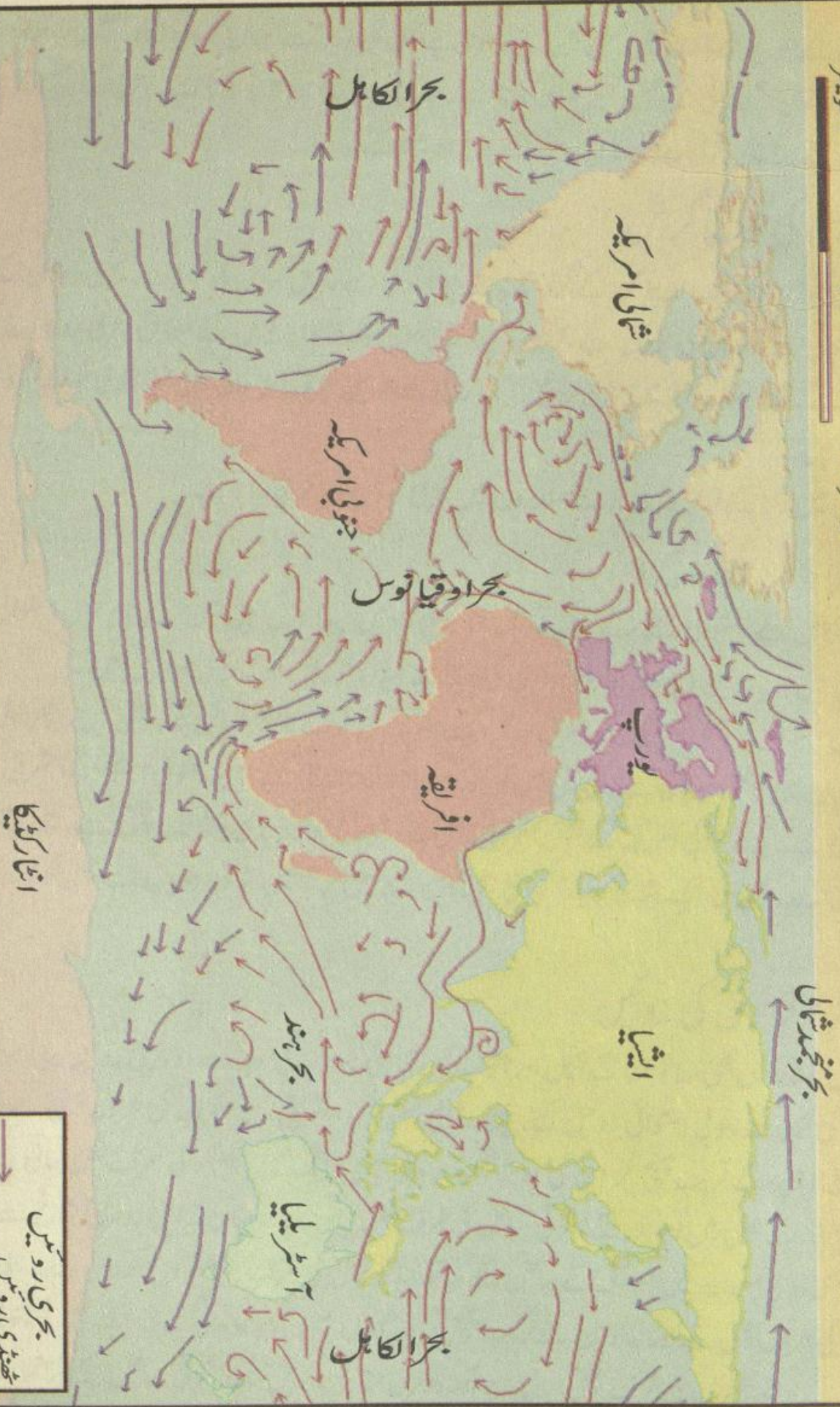
دنیا کی بحری روئیں
پیمانہ
۰ کلومیٹر
۲۰۰
۴۰۰ کلومیٹر
N
بحر منجمد شمالی
شمالی امریکہ
یورپ
ایشیا
بحر اوقیانوس
افریقہ
بحر الکاہل
جنوبی امریکہ
بحر ہند
آسٹریلیا
بحر الکاہل
انٹارکٹیکا
بحری روئیں
ٹھنڈی روئیں
گرم روئیں

مثال کے طور پر بحیرۂ روم میں عملِ تبخیر زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہاں کا پانی زیادہ نمکین یا کھارا ہے۔ اس کے برعکس بحرِ اوقیانوس کے پانی میں عملِ تبخیر سست ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ پانی ہلکا اور تازہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں بحیرۂ روم اور بحرِ اوقیانوس کے درمیان بحری روؤں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

3۔ زمین کی محوری گردش

زمین چوبیس گھنٹے میں اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرتی ہے۔ اس گردش کی وجہ سے بحری روؤں کے رخ میں تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ زمین کی گردش سے بحری رو پیدا نہیں ہوتی بلکہ قانونِ فیرل کے مطابق بحری رو کا رخ اصلی سمت سے موڑ دیتی ہے۔ شمالی نصف کرۂ میں بحری روئیں اصلی رخ سے دائیں طرف مڑ جاتی ہیں اور جنوبی نصف کرۂ میں بائیں طرف مڑ جاتی ہیں۔

ذیل میں دنیا کے تمام بڑے بڑے سمندروں میں بحری روؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1. بحرالکاہل کی روئیں

بحرالکاہل کے استوائی خطے کے علاقے میں دو بڑی روئیں پیدا ہوتی ہیں جن کے نام شمالی استوائی اور جنوبی استوائی روئیں ہیں۔ یہ روئیں زیادہ تر تجارتی ہواؤں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو کہ دائمی ہوائیں ہیں۔

شمالی استوائی رو وسطی امریکہ کے مغربی ساحل سے مغرب کی طرف جزائر فلپائن تک چلتی ہیں۔ پھر شمال کی جانب مڑ کر بحیرۂ جاپان میں داخل ہوجاتی ہے۔ یہاں اس کو کیوروسیو (Kuroshio) کہتے ہیں۔ جنوبی استوائی رو مشرق سے مغرب کی طرف چلتی ہے۔ یہ رو جنوبی امریکہ کے شمال مغربی ساحل سے شروع ہوکر نیوزی لینڈ تک چلتی ہے۔ پھر یہ مختلف حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ اس کی ایک شاخ دوبارہ جنوبی بحرالکاہل کے اس بہاؤ میں شامل ہوجاتی ہے جس کو انٹارکٹیکا رو کہتے ہیں۔

2. بحرِ اوقیانوس کی روئیں

اس سمندر میں بھی خط استوا کے شمال اور جنوب میں تجارتی ہواؤں کی وجہ سے دو بحری روئیں پیدا ہوتی ہیں جن کو بحرِ اوقیانوس کی شمالی اور جنوبی استوائی روئیں کہتے ہیں۔ شمالی استوائی رو مشرق سے مغرب کی طرف بہتی ہے۔ جزائر غرب الہند یا ویسٹ انڈیز کے قریب پہنچ کر اس کی دو شاخیں ہوجاتی ہیں۔ ایک خلیج میکسیکو کی طرف نکل جاتی ہے اور دوسری جزائر غرب الہند کے شمال میں امریکہ کے مشرقی ساحل کی طرف نکل جاتی ہے۔ یہاں یہ اپنی دوسری شاخ سے مل جاتی ہے اور ایک مشترکہ رو کی صورت میں امریکہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بہنا شروع کر دیتی ہے۔ جنوبی استوائی رو بھی مغرب کی طرف چلتی ہے اور برازیل کے قریب پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ ایک شاخ جنوبی امریکہ کے شمالی ساحل کے ساتھ مغرب کی طرف چلتی جاتی ہے اور دوسری شاخ برازیل کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف چل پڑتی ہے۔

3. بحرِ ہند کی روئیں

بحرِ ہند کی روئیں بحرالکاہل اور بحرِ اوقیانوس کی رووں سے قدرے مختلف ہیں۔ بحرِ ہند میں مون سون ہوائیں چلتی ہیں جن کا رخ سارا سال ایک سمت میں نہیں ہوتا بلکہ یہ اپنا رخ ہر موسم میں بدلتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ بحری رووں کا رخ بھی بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ جب نصف کرہ شمالی میں سردیوں کا موسم ہوتا ہے تو مون سون ہوائیں ایشیا (جنوبی ایشیا) سے بحرِ ہند کی طرف چلتی ہیں۔ آبنائے ملاکا سے مغرب کی جانب ایک بحری رو چل پڑتی ہے جو ملائیشیا، مائنمار، بنگلہ دیش، بھارت، سری لنکا، پاکستان اور مشرقی افریقہ کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ پاکستان کے قریب پہنچ کر اس رو کے رخ کو شمال مشرق کی مون سون ہوائیں مغرب کی طرف موڑ دیتی ہیں۔

بحری رووں کے اثرات

بحری روئیں آب و ہوا، بندرگاہوں، جہازرانی اور ماہی گیری پر بہت اثر انداز ہوتی ہیں۔ ذیل میں ان کے چند اثرات بیان کئے جاتے ہیں۔

آب و ہوا پر اثر

گرم رو کے اوپر سے جو ہوا گزرتی ہے وہ بھی گرم ہوجاتی ہے جس سے اس ہوا میں آبی بخارات جذب کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ آبی بخارات سے لدی ہوئی یہ ہوا جب کرۂ ہوائی کے اونچے طبقوں میں پہنچتی ہے تو ٹھنڈی ہوکر عملِ تکثیف کے باعث بارش برساتی ہے۔

بارش کے علاوہ بحری روئیں ساحلی علاقوں کا درجۂ بھی معتدل رکھتی ہیں۔ جن سرد ممالک کے ساحلوں کے ساتھ گرم روئیں چلتی ہیں ان کی آب و ہوا معتدل ہوجاتی ہے مثلاً اگر برطانیہ کے قریب سے استوائی گرم رو نہ گزرتی تو اس کی بندرگاہیں سردیوں میں منجمد رہتیں اور کوئی تجارت نہ ہوسکتی۔ گرم رووں کے اثر ہی سے یہ بندرگاہیں سارا سال کھلی رہتی ہیں۔ اس طرح یہ روئیں برطانیہ کی معیشت پر مثبت اثر ڈالتی ہیں۔ اس کے برعکس سائبیریا کے ساحل کے قریب سرد رو بہتی ہے جس کی وجہ سے یہ ساحل سال کے 10 مہینوں تک منجمد رہتا ہے اور یہاں کوئی اہم بندرگاہ نہیں ہے۔

وہ مقام جہاں گرم اور سرد روئیں آپس میں ملتی ہیں وہاں ان رووں کے اوپر کی گرم اور سرد ہوائیں بھی ٹکراتی ہیں جس کی وجہ سے وہاں طوفان پیدا ہوتے ہیں۔ اس قسم کے طوفانوں کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہری کین اور جاپان میں ٹائی فون کہتے ہیں۔

اگرچہ دورِ جدید میں بھاپ اور ایٹمی طاقت کی ایجاد سے سمندری جہاز بحری رووں کی مدد سے بے نیاز ہوگئے ہیں مگر پھر بھی جہازران ان رووں کے موافق چلنے کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ اس طرح وقت اور ایندھن کی بچت ہوتی ہے۔

گرم علاقوں کی مچھلیاں سرد علاقوں میں اور سرد علاقوں کی مچھلیاں گرم علاقوں میں ان ہی بحری رووں کی بدولت

پہنچتی رہتی ہیں۔ اس طرح دنیا کے سمندروں میں مچھلیوں کی تعداد کم نہیں ہونے پاتی۔

جہاں گرم اور ٹھنڈی روئیں آپس میں ملتی ہیں وہاں سب سے زیادہ مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً امریکہ کے قریب نیوفاؤنڈ لینڈ (کینیڈا کا ایک صوبہ)، شمالی یورپ میں آئس لینڈ اور ناروے کے ساحلی علاقے زیادہ مچھلیوں کے لیے مشہور ہیں۔

زندہ رہنے کے لیے پانی نہایت اہم ہے۔ اس کے بغیر ہم چند روز تک بمشکل زندہ رہ سکتے ہیں۔ پینے کا پانی نہایت ہی صاف ستھرا اور جراثیم کی آلودگی سے پاک ہونا چاہیے۔ ہمارے دیہات، قصبوں اور شہروں کو پینے کے لیے پانی دریاؤں، جھیلوں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے مہیا ہوتا ہے۔ بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی کے ساتھ اکثر کارخانے ہمارے دریاؤں کے قریب لگائے جاتے ہیں جن کا ناقص خارج شدہ پانی جس میں کئی قسم کے زہریلے کیمیائی مرکبات جو کہ انسان اور آبی جانور دونوں کے لیے یکساں مضر ہوتے ہیں، ان میں شامل ہوتا رہتا ہے۔ ان زہریلے مادوں سے نہ صرف دریاؤں میں رہنے والے آبی جانور مثلاً مچھلیاں وغیرہ متاثر ہوتی ہیں بلکہ خود انسان جب یہ پانی پیتا ہے تو اس میں ملے ہوئے کیمیائی مرکبات کئی قسم کے مہلک امراض کا سبب بنتے ہیں۔ کراچی کے ساحل کے قریب واقع کارخانے بھی اپنا ناقص پانی سمندر میں چھوڑ کر وہاں کے آبی جانوروں کے لیے خطرے اور بیماری کا سبب پیدا کر رہے ہیں۔ اسی طرح سمندری جہازوں سے بہا ہوا اور نکلا ہوا تیل بھی سمندری مخلوق کے لیے خطرے کا باعث ہے اور اس لیے کئی آبی جانوروں کی انواع اور حیات کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔

حکومتِ پاکستان اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ ان کارخانہ داروں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ایسے طریقے اختیار کریں جن سے یہ زہریلے مادے دریاؤں اور سمندروں میں نہ پھینکے جائیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی بہتری کے لیے حکومت کے ساتھ اس کام میں تعاون کریں۔

ماحولیاتی آلودگی

آلودگی کی تعریف

آلودگی سے مراد ماحول، ہوا، زمین اور پانی میں ایسی غیر صحت مندانہ آمیزش ہے جو انسانی صحت، معیار زندگی یا قدرتی یا ماحولی نظام کے عمل میں دخل اندازی کرے۔ (ماحولی نظام سے مراد حیاتی نامیات اور ان کا طبعی ماحول ہے)۔
جب مختلف عوامل ہمارے اپنے ماحول میں اس طرح کی غیر صحت مندانہ تبدیلی لاتے ہیں تو ہم اسے ماحول کی آلودگی کہتے ہیں۔ بہت سے عوامل ہمارے ماحول کو آلودہ کرتے ہیں جن کے ذمے دار ہم خود ہیں مثلاً گٹر کا پانی، کوڑا کرکٹ، کارخانوں سے خارج ہونے والے بے کار اور خطرناک مادے، موٹر گاڑیوں اور کارخانوں سے نکلنے والی زہریلی گیسیں اور دھواں، کیمیائی کھادیں، کیڑے مار دوائیں وغیرہ۔

آلودگی کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

فضائی آلودگی

زندہ رہنے کے لیے صاف ستھری فضا ہر جان دار کا پیدائشی حق ہے۔ ہوا زندگی کی اوّلین ضرورت ہے۔ پانی اور خوراک کے بغیر انسان کچھ دن تو زندہ رہ سکتا ہے لیکن ہوا کے بغیر چند لمحوں سے زیادہ زندہ رہنا ممکن نہیں۔ ہوا میں کئی گیسیں موجود ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ نائٹروجن، آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ گیسوں کا آمیزہ ہے۔

ان کے علاوہ ہوا میں اوزون، فیریون، ہیلیئم، کرپٹان، میتھین اور ہائیڈروجن کی بہت قلیل مقدار بھی موجود ہوتی ہے۔ فضا میں آبی بخارات صفر سے 4 فیصد بہ لحاظ وزن موجود ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ قدرتی طور پر مضر اثرات کی حامل چند گیسیں بھی موجود ہوتی ہیں۔
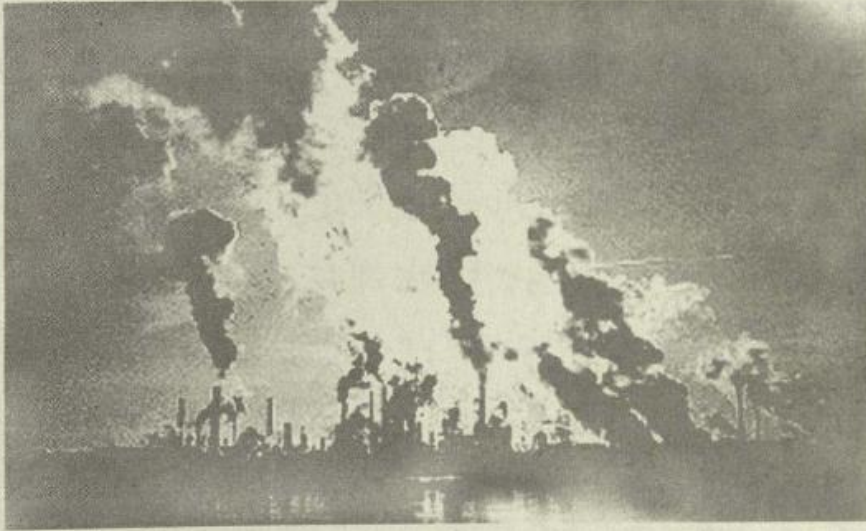
فضائی آلودگی

عالمی ادارۂ صحت کے مطابق ہر بالغ انسان کو روزانہ تقریباً 15 کلوگرام ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدرتی طور پر ہوا میں موجود گیسوں کی جتنی مقدار استعمال ہوتی ہے اتنی ہی دوبارہ فضا کا حصہ بن جاتی ہے۔ اس طرح فضا میں ان کا تناسب و توازن برقرار رہتا ہے۔ اس کے باوجود آج کے سائنسی دور میں فضا میں گیسوں کا تناسب تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ مختلف انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں فضا میں مضر اثرات رکھنے والی گیسیں شامل ہونے لگی ہیں جس سے زمین کا قدرتی اور فطری توازن بگڑ گیا ہے۔ ہوا میں نقصان پہنچانے والے اجزاء مثلاً گیسیں، دھوئیں، گردوغبار، زہریلے بخارات اور تابکار شعاعوں کا شامل ہونا ''فضائی آلودگی'' کہلاتا ہے جس سے انسان، نباتات اور عمارات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انسان نے زندگی کو آسان اور آرام دہ بنانے کے لیے بے شمار مشینیں ایجاد کی ہیں۔ سفر کے لیے موٹر گاڑیاں، ریل گاڑیاں، بحری جہاز اور ہوائی جہاز موجود ہیں۔ بجلی گھر، کوئلے، تیل اور گیس کو برقی توانائی میں تبدیل کرنے میں مصروف ہیں حتیٰ کہ معیارِ زندگی کو اب صنعتی ترقی سے ناپا جاتا ہے۔ مگر انسان کی اس مادی ترقی کا ایک تاریک پہلو فضائی آلودگی کی صورت میں نمودار ہوا۔ اضافہ آبادی کے سبب صنعتی کارخانوں اور ٹریفک میں جتنا اضافہ ہوا اتنی ہی زیادہ فضائی آلودگی

بڑھی۔ فضائی آلودگی SPM (معلق مادی کثافتوں) اور سلفر ڈائی آکسائیڈ کی فضا میں موجودگی سے معلوم کی جاتی ہے۔ لاہور میں SPM (معلق مادی کثافتیں) کی شرح 496 مائیکروگرام فی کیوبک میٹر ہے جو دنیا کے دیگر بڑے صنعتی شہروں سے زیادہ ہے۔ مثلاً ٹورنٹو میں یہی شرح صرف 57، تہران میں 238، بنکاک میں 105 اور بیجنگ میں 413 مائیکروگرام فی کیوبک میٹر ہے۔ اس آلودگی کے بڑھنے کو روکنے کے لیے منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے۔

آبی آلودگی

کرۂ ارض پر پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کے بغیر کسی جان دار کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ ہمارے جسم میں کل وزن کا 70 فیصد پانی ہے جس میں زندگی کو قائم رکھنے کے تمام اجزاء ہوتے ہیں۔ زمین پر صرف 2.8 فیصد میٹھا پانی ہے جو گھروں، فیکٹریوں اور زراعت میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میٹھے پانی میں صرف 0.65 فیصد مائع حالت میں ہے۔ باقی برف اور گلیشیئر کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ کرۂ ارض پر باقی ماندہ 97.2 فیصد کھارا پانی ہے جو استعمال کے قابل نہیں ہے۔
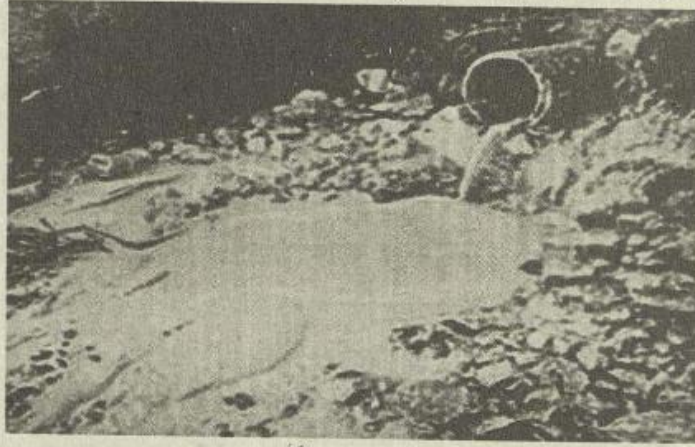
آبی آلودگی

پانی کی اہم خاصیت ہے کہ یہ بہترین محلل ہے اور اپنے اندر بہت سی اشیاء حل کرلیتا ہے۔ پانی میں کئی گیسیں، مائعات اور ٹھوس اشیاء آسانی سے حل ہوجاتی ہیں۔ اس طرح یہ بہت سی کثافتوں کو اپنا جزو بنا کر اپنی اصلیت کھودیتا ہے۔ پانی میں حل شدہ ہر شے اس میں کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور پیدا کرتی ہے۔ اگر پانی میں مضرصحت مرکبات شامل ہوجائیں تو یہ آبی آلودگی کہلاتی ہے۔ آبادی میں تیز رفتار اضافے کی وجہ سے پانی کے معیار میں فرق آتا ہے۔ دریائے سندھ میں حل شدہ آکسیجن کی موجودگی 2.3 ملی گرام فی لیٹر ہے جو کہ معیاری شرح 5.5 ملی گرام فی لیٹر سے بہت کم ہے۔ آلودہ پانی نہ صرف انسانی صحت کے لیے مضر ہے بلکہ یہ تمام حیوانات اور نباتات پر بھی منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

زمینی آلودگی

زمین میں نقصان دہ اشیاء کی موجودگی زمین کو حیاتیاتی، طبعی اور کیمیائی اعتبار سے آلودہ کردیتی ہے۔ موجودہ دور میں فضا اور پانی کی طرح زمین بھی آلودگی کا شکار ہورہی ہے۔ زمین کو براہِ راست آلودہ کرنے والے مرکبات کے علاوہ فضائی اور آبی آلودگی بھی زمین کو آلودہ کررہی ہے۔

زمینی آلودگی

زمین بھی قدرتی اور غیر قدرتی دونوں قسم کے عناصر سے آلودہ ہوتی ہے۔ مثلاً جنگل کی آگ، سیلاب، زلزلے اور آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا زمین کو قدرتی طور پر آلودہ کرنے کا سبب بنتے ہیں تاہم زمینی آلودگی کی اہم ترین وجہ انسانی سرگرمیاں ہیں۔ گھریلو، زرعی اور صنعتی فاضل مادوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھیں زمین کی سطح یا تہہ میں ٹھکانے لگانے کا عمل عرصہ دراز سے جاری ہے جس سے نہ صرف زمین کی ساخت بلکہ زمین کے اندر موجود پانی اور زرخیزی بھی متاثر ہوتی ہے۔

زمین میں شامل کیے جانے والے ان فاضل مادوں میں زراعتی فضلہ، کچرا، ردی کاغذ، پلاسٹک کی تھیلیاں، ضائع شدہ دھاتی اشیاء اور خالی ڈبے، ربڑ، پلاسٹک، چمڑے، کپڑے، سرامک کی ناکارہ اشیاء، بچے کھچے کھانے، مذبح خانوں (جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں) کا مواد، تعمیراتی فاضل مواد، مردہ جانور، کیمیائی فضلہ، کیڑے مار دواؤں کی کثیر فاضل مقدار اور صنعتوں کا فاضل مواد شامل ہوتا ہے۔

بارشوں اور طوفانوں کا زرعی زمین میں موجود نباتات کی نشوونما میں حصہ لینے والے غذائی اجزاء کو بہا لے جانا بھی ایک قسم کی آلودگی ہے۔ کئی عوامل زرخیز زمین کو بنجر اور ناقابلِ کاشت بناتے ہیں۔ ان میں چند ایک یہ ہیں:

(1) جنگلات کے خاتمے اور گلہ بانی کے زیرِ اثر زمین کا بنجر ہونا۔

(2) آب پاشی کے لیے آلودہ پانی کے استعمال سے پیدا ہونے والے امراض سیم وتھور وغیرہ۔

(3) کیمیائی ادویات کے استعمال کے نتیجے میں زہریلے کیمیائی مادوں کا زمین میں ذخیرہ ہونا۔

(4) کیمیائی کھادوں کے بے تحاشا اور غیر منظّم استعمال سے پیدا ہونے والے منفی اثرات۔

(5) زمین میں مضر صنعتی فاضل مادوں کا جمع ہونا۔

(6) فضائی اور آبی آلودگی کے اثرات۔

فضا اور پانی کو آلودہ کرنے والے تمام مضر عناصر آخر کار زمین کی آلودگی کا باعث بھی بنتے ہیں اور غذائی زنجیری سلسلے کے عمل کے ذریعے پودوں، جانوروں اور انسان کے جسم میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ہر مرحلے پر ان کی مقدار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور یہ زراعت سے متعلق افراد کو متعدد بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1. روئے زمین پر پانی اور خشکی کی تقسیم کا تناسب کتنا ہے؟
2. دنیا کو کتنے براعظموں میں تقسیم کیا گیا ہے؟ نام بتائیے۔
3. براعظم ایشیا کے کم از کم 5 ملکوں کے نام بتائیے۔
4. براعظم یورپ کے ترقی یافتہ ہونے کی کچھ وجوہات بیان کریں۔
5. دنیا میں سب سے زیادہ گہرائی کس سمندر میں ملتی ہے؟
6. لہروں سے کیا مراد ہے؟
7. مدوجزر کیسے پیدا ہوتے ہیں؟
8. بحری روئیں کیا ہوتی ہیں؟
9. بحری روؤں کے پیدا ہونے کی وجوہات بیان کریں۔
10. بحری روئیں جہاز رانوں کے لیے کس طرح مددگار ثابت ہوتی ہیں؟
11. آلودگی سے کیا مراد ہے؟ اس کی اقسام بیان کریں۔

(ب) خالی جگہیں پر کیجیے:

1. دنیا کے کل رقبے کے .... فی صد حصے پر پانی اور بقیہ .... فیصد حصے پر خشکی ہے۔
2. .... کے لحاظ سے براعظم ایشیا دنیا کا سب سے بڑا براعظم ہے۔
3. دائمی ہواؤں کو .... ہوائیں بھی کہتے ہیں۔
4. .... سمندر کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالوں کے تین تین ممکنہ جوابات دیے ہوئے ہیں۔ جو سب سے زیادہ مناسب سے اس کے آگے صحیح (✓) کا نشان لگائیے۔

1. سورج کی نسبت زمین پر چاند کی کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ:

(i) چاند سورج کے مقابلے میں زمین سے زیادہ قریب ہوتا ہے

(ii) سورج چاند کے مقابلے میں زمین سے زیادہ قریب ہوتا ہے

(iii) زمین چاند کے مقابلے میں سورج سے زیادہ قریب ہوتی ہے

2. عالمی ادارۂ صحت کے مطابق ہر بالغ انسان کو روزانہ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ تقریباً:

(i) 20 کلوگرام (ii) 15 کلوگرام (iii) 40 کلوگرام

3. موجودہ دور میں معیار زندگی کو ناپا جاسکتا ہے:

(i) زرعی ترقی سے (ii) صنعتی ترقی سے (iii) معدنی ترقی سے

سرگرمیاں

1. آپ کی کتاب میں ایشیا کا سیاسی نقشہ دکھایا گیا ہے۔ ایشیا کا ایک خالی نقشہ لیجئے اور اس کے طبعی خدوخال اجاگر کیجئے۔

2. آپ کی کتاب میں یورپ کے نقشے میں آب و ہوا کے لحاظ سے حصے دکھائے گئے ہیں۔ اس نقشے میں ان تمام ممالک اور ان کی آب و ہوا کو ظاہر کیجئے۔
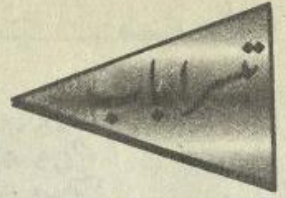
آب و ہوا کے لحاظ سے دنیا کے اہم خطے

کرۂ ارض کے بارے میں مکمل طور پر جاننے کے لیے تمام دنیا کو آب و ہوا کے منطقوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ منطقوں میں تقسیم کرتے وقت زیادہ تر خطِ استوا سے فاصلہ اور قطب شمالی اور جنوبی سے فاصلے کا خیال رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے پہلے پڑھا ہے خط استوا ایک فرضی خط ہے جو زمین کے عین درمیان میں سے گزرتا ہے۔ اس خط کا درجہ صفر ہے۔ سورج کی شعاعیں خط استوا پر تقریباً سال بھر عموداً پڑتی ہیں۔ اس لیے وہاں کافی گرمی پڑتی ہے جس کی وجہ سے عملِ تبخیر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس علاقے میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ خط استوا کے 23.50 درجے شمال میں خطِ سرطان ہے اور 23.50 درجے جنوب میں خطِ جدی ہے۔ یہ دونوں خطوط بھی فرضی ہیں۔ خط سرطان سے لے کر خط جدی کے درمیانی علاقے کو منطقۂ حارہ کہتے ہیں۔ منطقۂ حارہ میں دوسرے منطقوں سے زیادہ مختلف قسموں کے پودے اور جانور پائے جاتے ہیں۔ اس خطے میں پھلوں کی بھی بہتات ہے۔ اس منطقے میں آنے والے ممالک اچھے خاصے گرم ہوتے ہیں۔ تاہم جوں جوں خط استوا سے دور جائیں گرمی کم ہوتی جاتی ہے۔ 23.50 درجے شمال اور 23.50 درجے جنوب سے لے کر 66.50 درجے شمال اور جنوب کے درمیانی حصہ کو منطقہ معتدلہ کہتے ہیں۔ اس خطے میں جو ممالک آتے ہیں وہاں کی آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔ یورپ کے بیشتر ممالک اس منطقے میں ہیں۔ مگر جوں جوں قطبین کی طرف بڑھیں سردی بڑھتی جاتی ہے۔ 66.50 درجے شمال اور جنوب سے لے کر قطبین تک حصے کو منطقہ باردہ کہتے ہیں۔ یہ منطقہ سخت سردی کی وجہ سے برف میں ڈھکا رہتا ہے۔ زیادہ تفصیلات معلوم کرنے کے لیے منطقوں کو آب و ہوا کے لحاظ سے خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان خطوں کو آب و ہوائی خطے یا قدرتی خطے کہتے ہیں۔ آب و ہوائی خطوں میں چند مشہور خطے مندرجہ ذیل ہیں:

(1) استوائی خطہ (2) مون سونی خطہ (3) بحیرۂ روم کا خطہ
(4) منطقہ معتدلہ کے گھاس کے میدان کا خطہ (5) گرم صحرائی خطہ اور (6) ٹنڈرا کا خطہ

1. استوائی خطہ

یہ خطہ خطِ استوا کے دونوں طرف 5 درجے شمال اور 5 درجے جنوب کے درمیان واقع ہے۔ جو ممالک اس خطے میں شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ ایشیا میں انڈونیشیا، ملائیشیا اور سنگاپور۔ وسطی افریقہ میں کانگو کا طاس، زائرے اور گنی کے ساحلی علاقے اور اس کے علاوہ مشرقی افریقہ کے ساحلی حصے، جنوبی امریکہ میں کولمبیا اور دریائے امیزن کا طاس۔
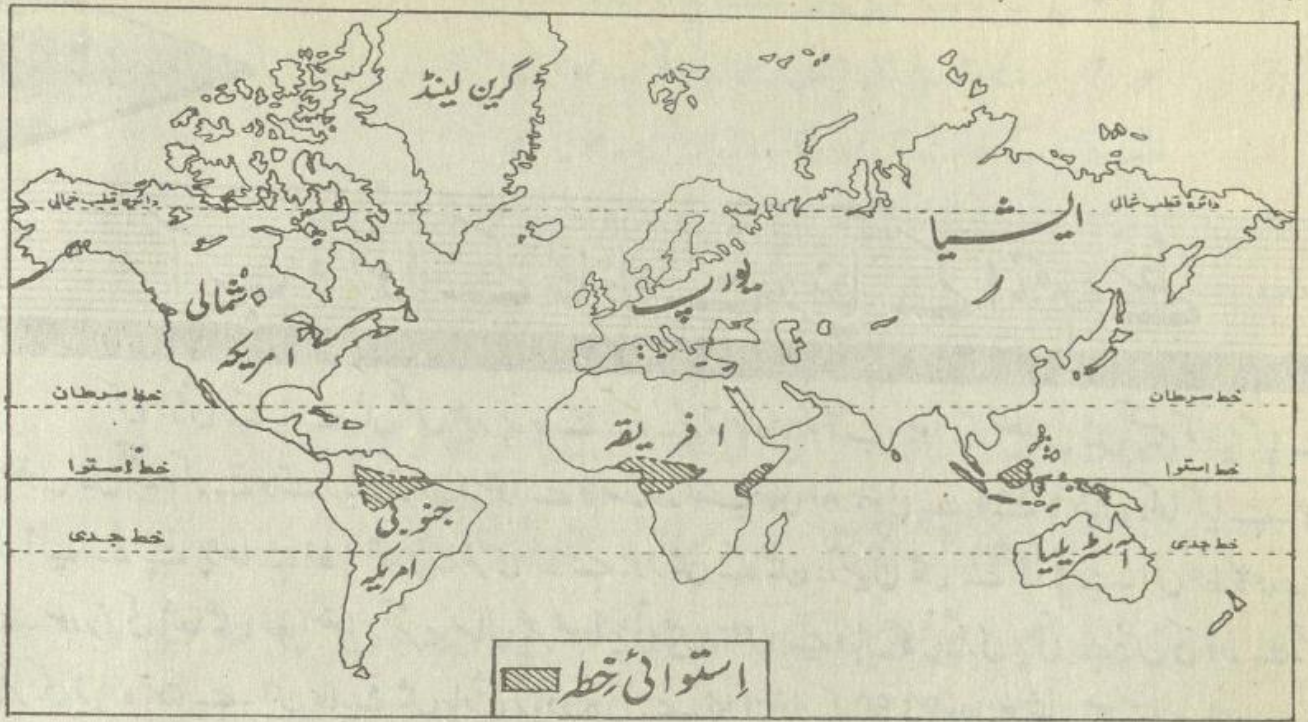
آب و ہوا

خطِ استوا کے قریب ہونے کی وجہ سے اس خطہ میں عمل تبخیر بہت ہوتا ہے۔ نمی سے بھری ہوئی ہوائیں ہوا کے دباؤ کی کمی کی وجہ سے جب اوپر اٹھتی ہیں تو ٹھنڈی ہو کر بارش برساتی ہیں۔ دن کے تین بجے کے بعد اکثر بارش ہوتی ہے۔ سورج کی شعاعیں تقریباً سال بھر عموداً پڑتی ہیں۔ اس لیے یہاں گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دریائے ایمزن کے طاس میں تقریباً دو ہزار ملی میٹر سالانہ بارش ہوتی ہے۔ بارش کی زیادتی اور سخت گرمی کی وجہ سے اس خطے کی آب و ہوا صحت کے لیے اچھی نہیں۔

نباتات

بارش کی زیادتی کی بنا پر نباتات گھنی ہیں۔ سدا بہار جنگلات کا گھنا خطہ ہے۔ درخت بہت اونچے ہیں جن کی شاخیں اوپر جاکر دوسرے درختوں کی شاخوں سے مل جاتی ہیں گویا کہ درخت چھتری کی طرح اس خطہ میں سایہ کئے ہوئے ہیں۔ پتوں نے ان کی رہی سہی کمی کو اور پورا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درختوں کے نیچے ہمیشہ تاریکی رہتی ہے کیوں کہ سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پاتی۔ مزید برآں بیلیں ان پیڑوں کو جکڑ لیتی ہیں۔ قدرتی نباتات میں لمبی گھاس مشہور ہے۔ پہاڑی ڈھلانوں پر جہاں بارش کا زیادہ زور ہے جنگلات بکثرت ہیں۔

حیوانات

ان جنگلوں میں بندر، گینڈا، ہاتھی، شیر اور ایسے پرندے رہتے ہیں جو درختوں پر پھدکتے رہتے ہیں۔ جیسے طوطے

وغیرہ یا رینگنے والے جانور جیسے سانپ اور گلہری پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ طرح طرح کے خوبصورت پرندے بھی پائے جاتے ہیں۔

زراعت

ماضی میں اس خطے میں جنگلات کا کاٹنا کافی مشکل تھا مگر اب ایسی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں جو آسانی سے وہاں لے جائی جاسکتی ہیں۔ اس لیے جہاں جنگلات کاٹ دیئے گئے ہیں، وہاں آسانی سے کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ ایسی جگہوں پر قہوہ، کیلا، چاول، گنا، تمباکو اور گرم مصالحے کی کاشت ہوتی ہے۔ جنگلات میں ربڑ، مہاگنی، صنوبر، بانس، صندل اور آبنوس کے درخت پائے جاتے ہیں۔ دریائے امیزن کے طاس میں ربڑ کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ انڈونیشیا، ملائیشیا اور سنگاپور میں جنگلات کو صاف کر کے صنعتوں کو ترقی دی جارہی ہے۔ اس لیے اس خطے کی تجارت اس دور میں کافی بڑھ گئی ہے۔ یہاں کے ممالک کی برآمدات میں ربڑ، شکر، گرم مصالحے، قہوہ، ساگودانہ اور سنکونہ اہم ہیں۔

اس خطے میں عام طور پر لوگ پس ماندہ ہیں۔ ذرائع آمدورفت کی دشواریوں کی وجہ سے تجارت عام نہیں۔ جہاں ممکن ہوسکتا ہے وہاں لوگوں کا کام لکڑی کاٹنا ہے اور شکار کرنا ہے۔ جہاں جنگلات صاف کردیئے گئے ہیں وہاں کے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اس خطے کے حالات اب تیزی سے بدل رہے ہیں۔

معدنیات

اس خطے میں معدنیات کی کمی ہے۔ تاہم یہاں کچھ ممالک ایسے ہیں جن کا معدنیات کی وجہ سے اہم مقام ہے مثلاً ملائیشیا اور انڈونیشیا میں دنیا بھر سے زیادہ قلعی اورٹن پایا جاتا ہے۔ انڈونیشیا میں پیٹرول بھی کافی پایا جاتا ہے۔ کانگو میں بڑی مقدار میں تانبا پایا جاتا ہے۔ کہیں کہیں تھوڑی مقدار میں جست، چاندی، سونا اور کوئلہ بھی پایا جاتا ہے۔

2. مون سونی خطہ

مون سونی خطہ خط استوا کے دونوں جانب 5 درجے سے 30 درجے کے درمیان اور براعظموں کے مشرق میں واقع ہے۔ اس خطے میں جو ایشیائی ممالک آتے ہیں ان میں مشہور ممالک کے نام یہ ہیں۔ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، میانمار، ویت نام، کمبوڈیا، لاؤس اور جزائر فلپائن۔ آسٹریلیا کا شمال مشرقی حصہ بھی اس خطے میں واقع ہے۔ جنوبی امریکہ میں برازیل کا مشرقی ساحل، وسطی امریکہ میں میکسیکو اور وینزویلا، افریقہ میں مشرقی افریقہ کے ممالک اور جزیرہ مالاگاسی شامل ہیں۔

آب و ہوا

اس خطے میں گرمیوں میں ہوائیں سمندر کی طرف سے زمین کی جانب چلتی ہیں۔ ان ہواؤں میں چونکہ نمی ہوتی ہے اس لئے پہاڑی علاقوں میں ان ہواؤں کی بدولت کافی بارش ہوتی ہے۔ سردیوں میں ہواؤں کا رخ خشکی سے سمندر کی طرف ہوتا ہے چونکہ یہ ہوائیں زیادہ مرطوب نہیں ہوتیں اس لیے اس خطے میں سردیوں کا موسم خشک ہوتا ہے۔ سردی اور گرمی کے موسم کے علاوہ یہاں برسات کا موسم بھی ہوتا ہے۔ یہاں گرمی کا موسم شدید گرم اور جاڑے کا موسم اوسط درجہ کا ہوتا ہے۔ اس خطے میں بارش عام طور پر جون کے مہینے میں شروع ہوتی ہے اور یہ سلسلہ اکتوبر تک جاری رہتا ہے مگر ان بارشوں کا دارومدار ہواؤں کے رخ، ہوا کے دباؤ اور مختلف علاقوں کی سمندر سے دوری پر ہے۔ پاکستان میں بحیرۂ عرب کی مون سون ہواؤں کی وجہ سے شمال کے پہاڑی علاقوں میں زیادہ بارش ہوتی ہے۔ مگر جوں جوں مغرب کی طرف آئیں اوسطاً سالانہ بارش کم ہوتی جاتی ہے۔ بنگلہ دیش خلیج بنگال کی مون سون ہواؤں کے راستے میں ہے اور سمندر بھی بہت نزدیک ہے، اس لئے وہاں کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ اس خطے میں گرمیوں کے علاوہ سردیوں میں بھی گردوغبار کی وجہ سے کچھ بارش ہوتی ہے۔ ایسے علاقوں میں پاکستان، بھارت، فلپائن اور تھائی لینڈ شامل ہیں۔

نباتات

اس خطے میں جہاں سالانہ دو ہزار ملی میٹر سے زیادہ بارش ہوتی ہے، وہاں ہمیشہ سرسبز رہنے والے استوائی جنگلات سے ملتے جلتے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ مگر خاص مون سونی جنگلات ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں جہاں اوسط سالانہ بارش ایک ہزار ملی میٹر سے لے کر دو ہزار ملی میٹر تک ہوتی ہے۔ خشک موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ عام درختوں میں مہاگنی، دیودار، نیم اور سال ہیں۔ یہ جنگلات بہت ہی فائدہ مند ہیں۔ جہاں بارش قدرے کم ہے وہاں مختلف قسم کی جھاڑیاں اور گھاس پیدا ہوتی ہے۔

زراعت

مناسب بارش، زرخیز زمین اور گرمی کی وجہ سے اس خطے میں زرعی پیداوار کی بہتات ہے۔ کھیتی باڑی عوامی پیشہ ہے مگر کافی لوگ گلہ بانی بھی کرتے ہیں۔ اس خطے کی خاص پیداوار چاول، پٹ سن، تلہن، گنا اور دالیں ہیں۔ دریاؤں کے ڈیلٹے چاول کی پیداوار کے لئے مشہور ہیں۔ پھلوں میں زیادہ تر کیلا، ناریل، اناس، آم اور امرود کاشت کیے جاتے ہیں۔

حیوانات

اس خطے میں جنگلات کی کثرت ہے۔ اس لئے یہاں بہت سے جنگلی جانور پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ببر شیر، ہاتھی، ہرن وغیرہ۔ پالتو جانوروں میں گائے، بھینس، گھوڑے، بکری اور بھیڑ پائے جاتے ہیں۔ گائے، بھینس اور بکری سے کھالیں بھی دستیاب ہوتی ہیں۔

معدنیات

اس خطے میں معدنیات بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مشہور معدنیات میں چاندی، لوہا، سیسہ، کوئلہ، ٹن، ابرق اور تیل شامل ہیں۔ کہیں کہیں سونا بھی پایا جاتا ہے۔

مون سونی خطے کے بیشتر علاقے ترقی یافتہ ہیں۔ یہ خطہ دنیا میں سب سے زیادہ گنجان آباد ہے۔ ذرائع آمدورفت تسلی بخش ہیں۔ اس خطے کے چند مسلم ممالک بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان اور بنگلہ دیش۔ دنیا میں سب سے زیادہ پٹ سن بنگلہ دیش میں پیدا ہوتا ہے۔ نہایت اعلیٰ قسم کے چاول اور روئی پاکستان میں پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کے چند بہترین فن کے نمونے بھی اس خطے میں واقع ہیں۔

3. بحیرۂ روم کا خطہ

بحیرۂ روم کا خطہ خطِ استوا کے شمال اور جنوب میں 30 درجے سے 45 درجے کے درمیان واقع ہے۔ یہ خطہ عموماً براعظموں کے مغرب کی جانب پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ خطہ زیادہ تر بحیرۂ روم کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس لیے اس مناسبت سے اسے بحیرۂ روم کا خطہ کہا جاتا ہے۔ شمالی نصف کرہ میں ایشیا کے جو ممالک اس خطے میں شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں: ترکی، شام، لبنان، الجزائر، مراکش، فلسطین۔ براعظم یورپ میں جنوبی فرانس، جنوبی اٹلی، اسپین، یونان، البانیہ، بلغاریہ کے ساحلی علاقے اور جنوبی یوگوسلاویہ۔ امریکہ میں کیلی فورنیا کی ریاست اس خطے کا حصہ ہے۔ جنوبی نصف کرہ میں چلی، آسٹریلیا کا جنوبی اور مغربی حصہ اور نیوزی لینڈ شامل ہیں۔

آب و ہوا

اس خطے میں گرمی کا موسم مختصر اور خشک ہوتا ہے اور سردی کا موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ بارش سردی کے موسم میں ہوتی

ہے۔ اوسطاً سالانہ بارش 400 سے 500 ملی میٹر تک ہوتی ہے۔ پہاڑوں پر اور موسمی ہواؤں کے رخ پر جو علاقے واقع ہیں وہاں بارش قدرے زیادہ ہوتی ہے۔ بحیرۂ روم کے جنوبی حصوں میں بارش کی کمی ہے۔ اس لیے یہ خطہ آگے جا کر نیم صحرائی خطے سے مل جاتا ہے۔
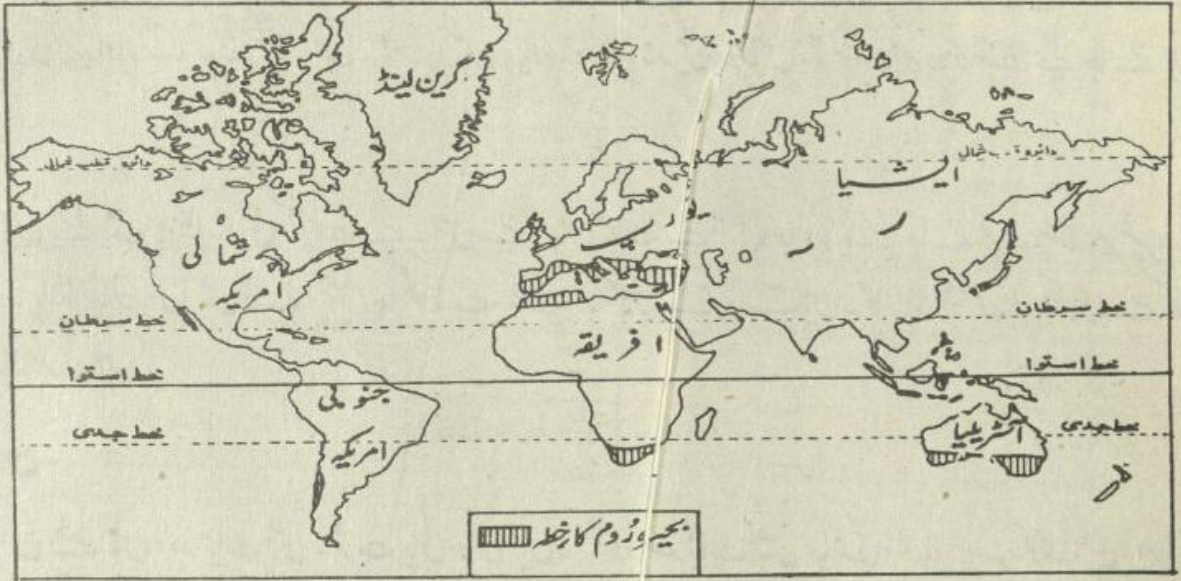
نباتات

اس خطے میں درخت چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان درختوں کی جڑیں زمین میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ درختوں کے پتے چھوٹے، چمکدار اور موٹے ہوتے ہیں تاکہ ان کی نمی دھوپ کی وجہ سے جلد خارج نہ ہو۔ خاص خاص درختوں میں زیتون، انجیر، کارک، بلوط، سفیدہ اور دیودار ہیں۔ یہ خطہ پھلوں کی پیداوار کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اتنے پھل دنیا بھر میں کسی اور علاقے میں پیدا نہیں ہوتے۔ اس خطے کے مشہور پھلوں کے نام یہ ہیں: انگور، انجیر، خوبانی، سنگترے، لیموں، انار، زیتون، بادام، مالٹے اور اسی طرح کے دوسرے رس دار پھل۔ جہاں آب پاشی ممکن ہے وہاں گندم، کپاس، جو اور باجرا بویا جاتا ہے۔ دریاؤں کی وادیوں میں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔

عام طور پر اس خطے کے لوگ کاشتکاری کرتے ہیں۔ زیادہ تر کاشت پھلوں کی ہوتی ہے۔ کچھ علاقوں میں جہاں چراگاہیں ہیں لوگ بھیڑ اور بکریاں پالتے ہیں۔

معدنیات

اس خطے کے ساحلی علاقوں میں لوہا پایا جاتا ہے۔ اسپین میں لوہے کے علاوہ پارہ بھی ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ علاقوں میں تانبا، جست اور سیسہ پایا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر اس خطے میں معدنیات کی کمی ہے۔

4. منطقۂ معتدلہ کے گھاس کے میدان کا خطہ

یہ خطہ براعظموں کے درمیانی حصوں میں واقع ہے۔ شمالی نصف کرہ میں ایشیا کے جو حصے اس خطے میں واقع ہیں

ان کے نام یہ ہیں: ایشیا میں جنوبی سائبیریا، یورپ میں وسطی یورپی روس، شمال میں جرمنی، پولینڈ، سویڈن، ہنگری اور رومانیہ۔ روس کے علاقے میں اس خطے کو اسٹیپیز کہتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکی کا شمالی حصہ اور کینیڈا کا جنوبی حصہ اس خطے میں شامل ہے۔ یہاں اس کو پریریز کا نام دیا جاتا ہے۔ جنوبی نصف کرہ میں ارجنٹائن کا علاقہ جو پمپاس کہلاتا ہے، اس خطے میں شامل ہے۔ جنوبی افریقہ کا ویلڈز کا علاقہ اور آسٹریلیا کا ڈونیز کا علاقہ بھی اس خطے میں ہے۔
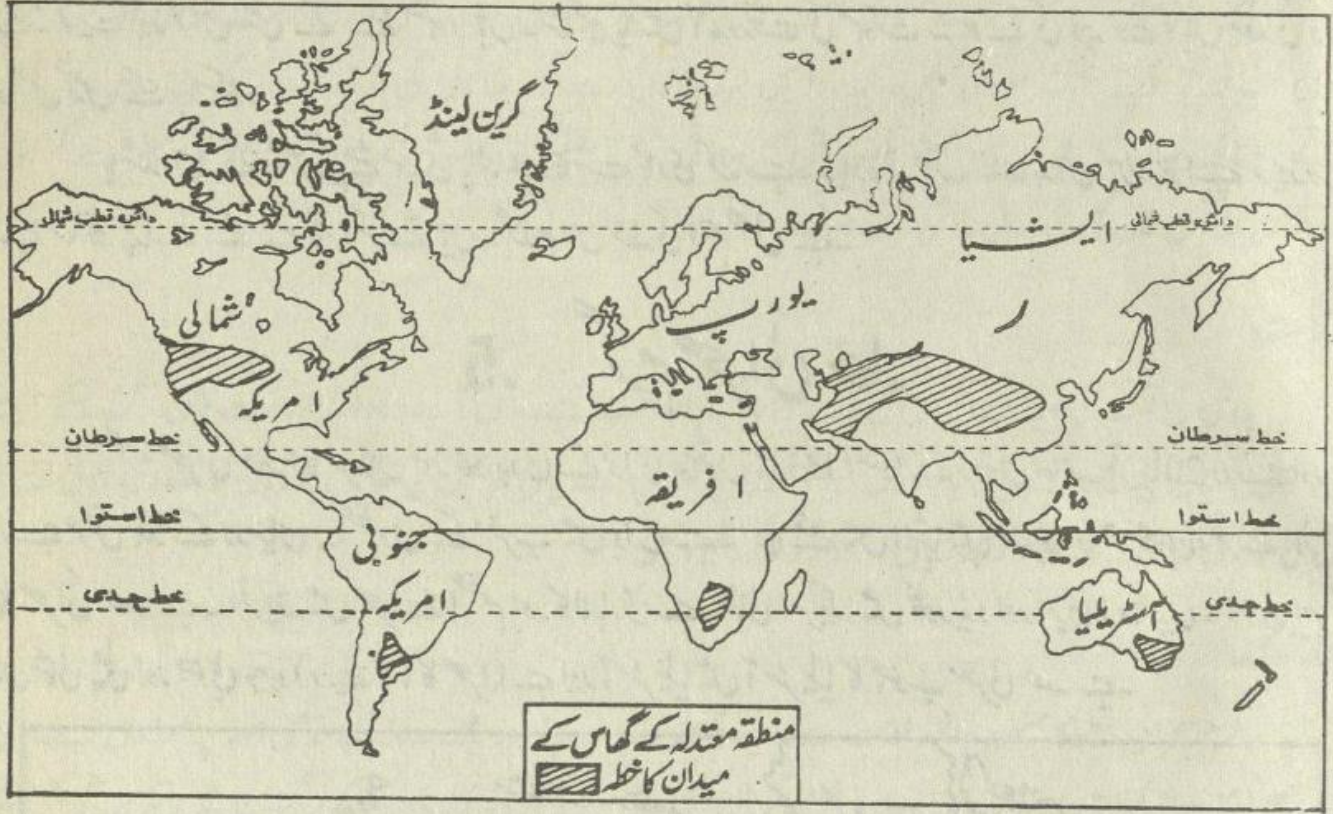
آب و ہوا

چونکہ یہ خطہ براعظموں کے وسط میں واقع ہے اس لیے اس خطے کی آب و ہوا شدید قسم کی ہے۔ گرمیوں میں سخت گرمی پڑتی ہے اور سردیوں میں سخت سردی۔ بارش بہت کم ہوتی ہے اور وہ بھی زیادہ تر گرمی کے موسم میں۔ اوسطاً سالانہ بارش تقریباً 500 ملی میٹر ہے۔

نباتات

بارش کی کمی کی وجہ سے یہاں کی قدرتی پیداوار صرف گھاس ہے۔ گھاس کے بڑے بڑے میدانوں میں کوئی درخت نظر نہیں آتا۔ بارش کے موسم اور اس کے بعد چاروں طرف سرسبز میدان نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد گھاس کی کثرت کی وجہ سے اس خطے میں بہترین چراگاہیں ہیں۔ تیز رفتار اور گھاس کھانے والے جانور بکثرت پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر خرگوش، ہرن، بکری اور بھیڑ۔ آب پاشی اور مشینی زراعت کی وجہ سے یہ خطہ کاشت کاری کے لیے نہایت

موزوں ثابت ہوا ہے۔ جہاں کاشت کاری ممکن ہے وہاں گندم، جو اور رائی کی کاشت ہوتی ہے۔ شمالی امریکہ اور کینیڈا میں جو علاقے گندم کی پیداوار کے لیے مشہور ہیں وہ اس خطے میں پائے جاتے ہیں۔

معدنیات

اس خطے میں معدنیات کے سلسلے میں ترقی نہیں ہوئی اور شمالی امریکہ میں تیل، کوئلہ، تانبا، ابرق، مینگنیز اور سونا ملتا ہے۔ کویت اور عراق تیل کے لئے مشہور ہیں۔ سائبیریا میں آمدورفت کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے وہاں معدنی ذخائر حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

باشندوں کے خاص پیشے مویشی پالنا اور کاشت کاری کرنا ہے۔ زیادہ تر لوگ خانہ بدوش ہیں جو اپنے ریوڑوں کو اپنے ساتھ چرانے کے لیے پھرا کرتے ہیں۔ گندم اس خطہ کی اہم فصل ہے۔

5. گرم صحرائی خطہ

گرم صحرائی خطہ خط سرطان اور خط جدی کے نواحی علاقوں میں خط استوا کے دونوں جانب قریباً 20 درجے اور 30 درجے عرض بلد کے درمیان براعظموں کے مغرب میں واقع ہے۔ اس خطے میں ایشیا میں سندھ، راجستھان، عرب اور شام کا صحرائی حصہ ہے۔ افریقہ میں صحرائے اعظم اور کالاہاری ہے۔ شمالی امریکہ میں کلوریڈو اور ایری زونا ہیں۔ جنوبی امریکہ میں شمالی چلی اور جنوبی پیرو (ریٹے کا ما کا صحرا) ہے اور آسٹریلیا کا جنوب مغربی حصہ ہے۔
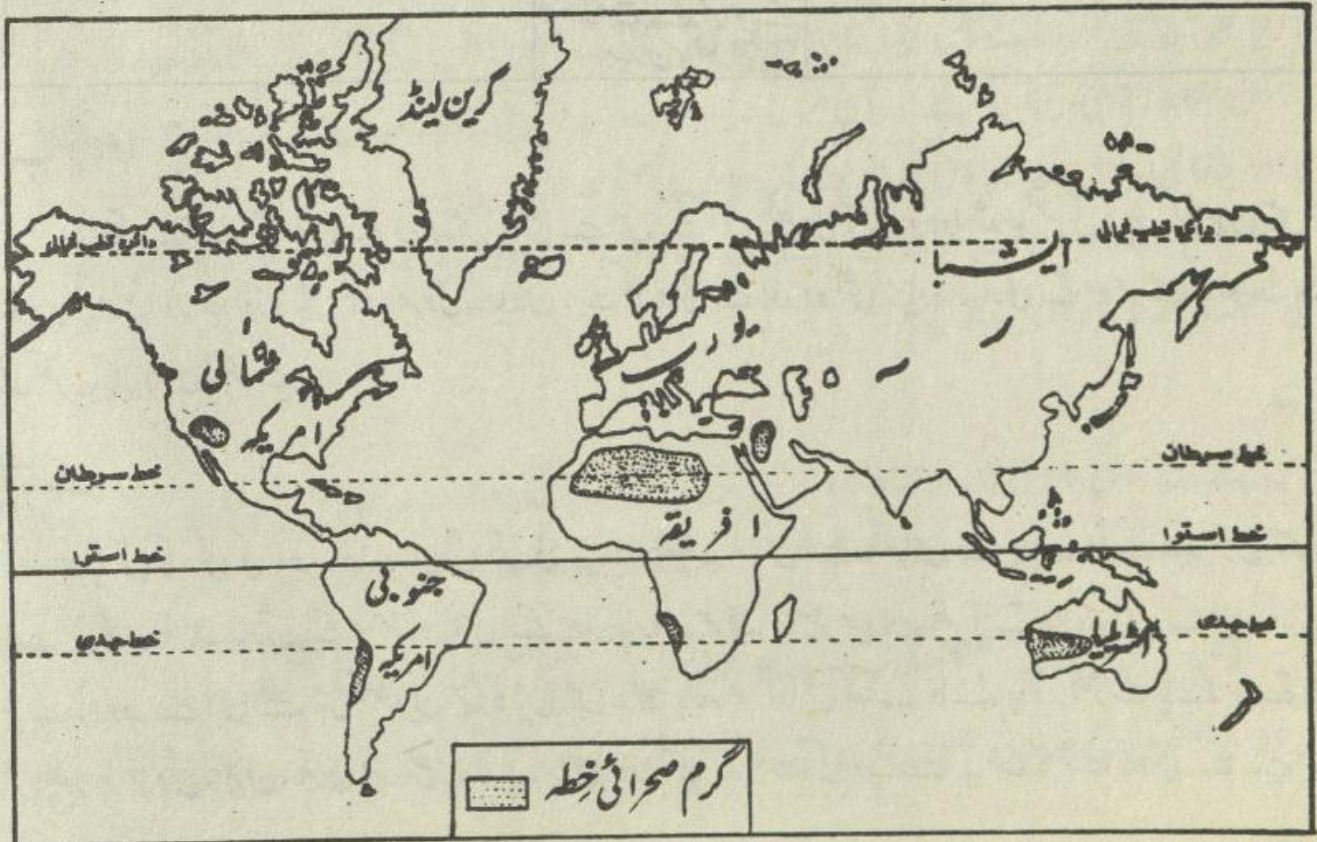
آب و ہوا

ان عرض بلد میں براعظموں کے مغربی ساحلوں پر گرم صحرائی خطہ پایا جاتا ہے۔ یہ خطہ دنیا کا گرم ترین علاقہ ہے۔ اس صحرائی خطے کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔ گرمیوں میں یہاں درجۂ حرارت بعض اوقات 51.5 درجے سینٹی گریڈ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ افریقہ میں عزیزیہ کے مقام پر قریباً 52 درجہ سینٹی گریڈ تک درجۂ حرارت ریکارڈ کیا گیا ہے۔ یہاں دن کے مقابلے میں راتیں ٹھنڈی اور پرسکون ہوتی ہیں۔

اس خطہ میں براعظموں کے مشرقی حصوں میں خوب بارش ہوتی ہے۔ لیکن بارش برسانے والی ہوائیں مغربی حصوں تک پہنچتے پہنچتے خشک ہوجاتی ہیں۔ یہ ہوائیں سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف آنے کی وجہ سے بارش نہیں برساتیں چنانچہ یہاں کسی موسم میں بھی زیادہ بارش نہیں ہوتی۔ اس خطے میں اوسط سالانہ بارش 250 ملی میٹر سے کم ہوتی ہے۔ بعض علاقوں میں کئی کئی سال بارش نہیں ہوتی۔

نباتات

بارش کی قلت کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔ اس آب و ہوا میں باغات نہیں اُگ سکتے البتہ جہاں کہیں گلستان پائے جاتے ہیں یا کنوؤں اور چشموں یا نہروں سے پانی حاصل کیا جاتا ہے وہاں کاشتکاری ہوتی ہے۔ یہاں کی قدرتی نباتات کانٹے دار جھاڑیاں، کھجور اور کیکر وغیرہ ہیں۔

حیوانات

گرم صحرائی خطے کا مشہور جانور اونٹ ہے۔ یہ ریگستان میں رہنے اور چلنے کے لیے خاص طور پر موزوں ہے۔ اسی لیے یہ صحرا کا جہاز کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھیڑ بکریاں بھی پالی جاتی ہیں۔ کالاہاری کے ریگستان میں شترمرغ بھی ملتا ہے۔

معدنیات

یہ خطہ معدنی دولت سے مالا مال نہیں۔ اس کے بعض حصوں سے معدنیات نکالی جاتی ہے۔ چلی سے نائٹریٹ۔ کلوریڈو سے چاندی۔ جنوبی کیلی فورنیا سے چاندی، سونا اور تانبا۔ مغربی آسٹریلیا سے سونا اور سعودی عرب، عراق، کویت اور بحرین سے تیل نکالا جاتا ہے۔

بارش کی قلت اور گرم خشک آب و ہوا کی وجہ سے ان صحراؤں کی آبادی کم ہے۔ ان میں صرف سوڈان اور مصر کی آبادی زیادہ ہے۔ یہاں کے اکثر لوگ خانہ بدوش ہیں۔ یہ لوگ اونٹ، بھیڑ، بکریاں اور گھوڑے وغیرہ پالتے ہیں اور یہی ان کا عام پیشہ ہے۔ جہاں کہیں پانی دستیاب ہے مکئی، جوار، باجرا وغیرہ کاشت کئے جاتے ہیں۔ سوڈان اور مصر میں اعلیٰ قسم

کی کپاس پیدا کی جاتی ہے۔ اس خطے میں ذرائع آمدورفت اچھے نہیں ہیں۔ ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان تک سفر کے لیے اونٹ کی سواری ملتی ہے۔

6. ٹنڈرا کا خطہ

یہ خطہ دائرہ قطب شمالی سے لے کر بحر منجمد شمالی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس خطے میں ایشیا، یورپ اور شمالی امریکہ کے انتہائی شمالی علاقے شامل ہیں۔ اس خطے کو سرد ریگستانی خطہ بھی کہا جاتا ہے۔ ریگستان کی طرح یہاں بھی شدید سردی کی وجہ سے کچھ نہیں پیدا ہوتا۔
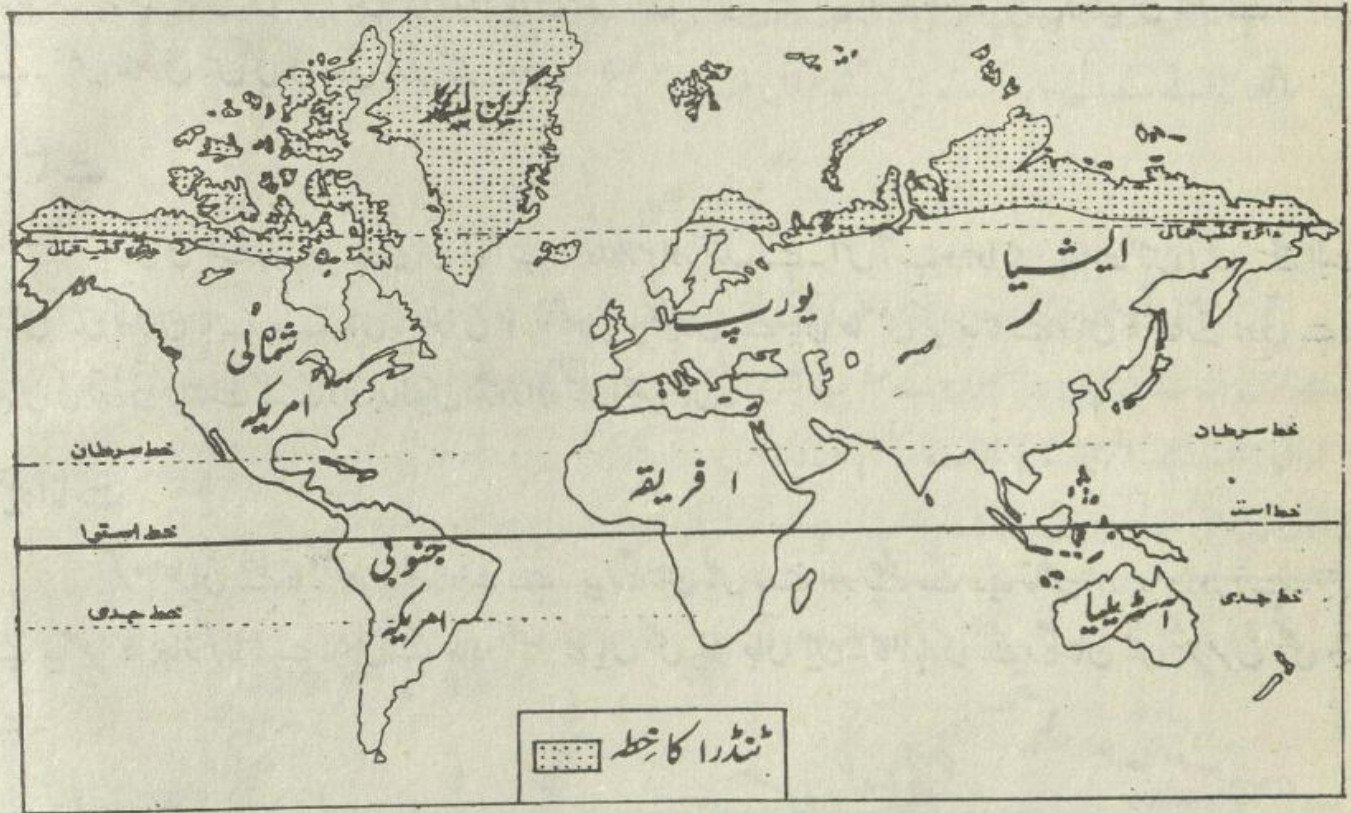
آب و ہوا

ٹنڈرا میں موسمِ سرما، موسمِ گرما سے زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے جس کی وجہ سے 9 ماہ تک تمام خطہ برف آلود نظر آتا ہے۔ جب موسم گرما آتا ہے تو برف پگھل جاتی ہے مگر ساحلی حصے اس وقت بھی منجمد رہتے ہیں جس کی وجہ سے دریاؤں پر جمی ہوئی برف پگھل کر جب پانی سمندر کی طرف چلتا ہے تو آگے راستہ بند ہونے کی وجہ سے پانی آس پاس کی سرزمین پر پھیل جاتا ہے جس سے زمین دلدل بن جاتی ہے۔

نباتات

سخت سردی کی وجہ سے اس خطے میں نباتات کی کمی ہے۔ گرمی کے موسم میں کچھ پودے اور جھاڑیاں اُگ پڑتی

ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ چھوٹے قد کے سدا بہار درخت بھی ہوتے ہیں۔

حیوانات

اس خطے کا مشہور جانور رین ڈیئر ہے۔ یہ جانور بارہ سنگھا سے ملتا جلتا ہے۔ اس خطے کے مخصوص حالات کے مطابق رین ڈیئر بڑا مفید جانور ہے۔ وہاں کے لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس کی کھال سے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے سینگوں اور ہڈیوں سے اوزار اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے بنائے جاتے ہیں۔ یہ جانور ایک خاص قسم کی گاڑیاں کھینچتے ہیں جس کو سلیج کہتے ہیں۔ ان گاڑیوں کے پہیے نہیں ہوتے اس لیے یہ بڑی آسانی سے برف پر کھینچی جاتی ہے۔ یہ گاڑیاں اس خطے میں آمدورفت کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان گاڑیوں کو وہاں کتے بھی کھینچتے ہیں۔ اس خطے میں کتا بھی ایک مفید جانور ہے۔ گاڑی کھینچنے کے علاوہ یہ چوکیداری بھی کرتے ہیں۔ کتوں کی کھال کو بھی وہاں کام میں لایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کئی قسم کے سمور دار جانور پائے جاتے ہیں جن میں سیل یعنی پانی کی بلی بہت مشہور ہے۔ اس بلی کی کھال سے جوتیاں اور کشتیاں بنائی جاتی ہیں۔

معدنیات

اس خطے میں معدنیات کی تاحال قدرے کمی ہے۔ تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خطہ معدنیات کی دولت سے مالامال ہے۔ ان معدنیات کو تلاش کیا جارہا ہے مگر ذرائع آمدورفت کی کمی کی وجہ سے اس کی رفتار سست ہے۔

اس خطے کے لوگوں کو اسکیموں کہا جاتا ہے۔ اسکیموں کا مطلب ہے کچا گوشت کھانے والا۔ ان کے خاص پیشے لکڑی کاٹنا، کاغذ بنانا، جنگلات سے تارپین اکٹھا کرنا، سمور دار جانوروں کا شکار کرنا اور مچھلیاں پکڑنا ہیں۔ آج کل بہت سے اسکیموں ملازمت کے لیے کینیڈا اور الاسکا (شمالی امریکہ) کے کارخانوں میں چلے جاتے ہیں۔ شکار کے لیے لانچیں اور بندوقیں بھی استعمال کرتے ہیں۔ سمور دار جانوروں کی کھالیں یہاں کی عام تجارت ہے۔ ان کھالوں کو دوسرے ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ دوسرے ممالک سے یہاں ضروریاتِ زندگی کی دوسری اشیاء برآمد کی جاتی ہیں۔

مشق

1. آب و ہوائی خطے اور آب و ہوائی منطقے میں کیا فرق ہے؟
2. آب و ہوائی خطہ کسے کہتے ہیں؟
3. کرۂ ارض کو آب و ہوائی خطوں میں تقسیم کرتے وقت کن کن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے؟
4. آب و ہوا کے لحاظ سے دنیا کے مشہور خطے کون سے ہیں؟
5. استوائی خطے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

6. بحیرۂ روم کے خطے میں سردیوں کی بارش کا کیا اثر ہے؟
7. ٹنڈرا کے خطے کی خصوصیات کیا ہیں؟
8. مون سونی خطے میں چاول کیوں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں؟
9. صحیح جواب لکھئے:

(i) اسکیمو دریائی بلی کی کھال سے .... بناتے ہیں۔ (برتن ۔ کشتیاں)

(ii) معتدلہ گھاس کے میدانوں میں .... بکثرت ملتے ہیں۔ (خرگوش ۔ شیر)

(iii) .... استوائی خطے میں واقع ہے۔ (انڈونیشیا۔ فرانس)

عملی کام

1. دنیا کا نقشہ بنائیں اور مختلف آب و ہوائی خطوں کو دکھائیں۔
2. مختلف خطوں میں رہنے والے لوگوں کے گھروں کی تصویریں اکٹھی کریں۔

عالمی وسائل

دنیا کے مختلف علاقوں میں لوگوں کے خاص پیشے

دنیا میں ہر جگہ لوگ کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کر کے روزی کماتے ہیں۔ یہ پیشے کسی علاقے کی قدرتی یا طبعی حالت، آب و ہوا، پیداوار اور وہاں کے رہن سہن کے طور طریقوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ سرسبز اور زرخیز علاقوں میں جہاں پانی کثرت سے میسر ہو، کاشت کاری کی جاتی ہے۔ جہاں معدنیات کی فراوانی ہو، لوگ کان کنی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ کہیں مویشی پالے جاتے ہیں، کہیں ماہی گیری کی جاتی ہے۔ صنعتی مراکز میں محنت کش مزدوری کرتے ہیں۔ صنعت کار تجارت کرتے ہیں۔ بینکاری اور مالیات تجارت کا لازمی جزو ہیں اور خود بھی بہت اہم ہیں۔ شہری علاقے کے پیشوں میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے اور ان کے لیے بہت زیادہ ذہنی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذیل میں بڑے بڑے پیشوں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

مویشی پالنا (گلہ بانی)

دنیا کے کچھ علاقے خشک ہیں۔ وہاں بارش بہت کم یا بالکل ہی نہیں ہوتی اور پانی کی قلت کی وجہ سے آب پاشی کا بھی کوئی نظام نہیں ہوتا اس لیے کاشت کاری نہیں ہوتی۔ البتہ گھاس کافی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ علاقے مویشیوں کے لیے چراگاہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان علاقوں کے لوگوں کا خاص پیشہ بھیڑ بکریاں اور مویشی پالنا ہے۔ مویشیوں سے دودھ، مکھن اور گھی وغیرہ بھی حاصل ہوتا ہے اور گوشت بھی فراہم ہوتا ہے جو دنیا کے اکثر لوگوں کی خاص غذا ہے۔ گلہ بانی اور مویشی پالنے کا پیشہ عام طور پر گرم اور معتدل آب و ہوا کے علاقوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ مختلف علاقوں میں بڑے بڑے فارم بنائے جاتے ہیں جہاں ہزاروں کی تعداد میں مویشی پرورش پاتے ہیں۔ یہ فارم شہروں یا صنعتی مراکز کے قریب ہوتے ہیں تاکہ دودھ، مکھن وغیرہ کی فروخت کے لیے منڈی مل سکے۔ جن علاقوں میں پانی کی کمی ہو یا موسم شدید ہو وہاں گلہ بانی مستقل نہیں ہوتی بلکہ لوگ اپنے گلّے بہتر موسم میں وہاں لاتے ہیں اور موسم کے شدت اختیار کرتے ہی وہ اپنے گلّے سمیت نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ یہی مویشی ان کی خوراک بھی ہوتے ہیں اور ان کی دولت بھی۔

براعظم ایشیا کے وسطی علاقے میں گھاس کے میدان ہیں۔ یورپ میں برطانیہ، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور ڈنمارک کے کچھ علاقوں میں مویشی پالنے اور ڈیری فارم بنانے کے لیے حالات بہت موزوں ہیں۔ نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ

کے کچھ علاقے، مغربی کینیڈا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے کچھ علاقوں میں وسیع پیمانے پر مویشی پالنے کا کاروبار ہوتا ہے۔ گوشت حاصل کرنے کے لیے ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی امریکہ (ارجنٹینا، برازیل)، افریقہ (سوڈان)، آسٹریلیا (کوینز لینڈ) اور یورپ میں ہالینڈ اور انگلینڈ میں بھی مویشی پالے جاتے ہیں۔ ان جانوروں کو مشینوں کے ذریعے ذبح کر کے گوشت دوسرے ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کاروبار کے ذریعے لاکھوں لوگ مختلف ممالک میں روزی کماتے ہیں۔

کاشت کاری

کاشت کاری یا زراعت دنیا کے قدیم پیشوں میں سے ہے۔ اس کا آغاز اور فروغ از منہ قدیم میں اس وقت ہوا جب پتھر کے زمانے کے شکاری اور پھل توڑ کے جمع کرنے والوں نے اپنی پسند کے انواع اگانا شروع کیں، جدید فصلیں اپنے قدیم اجداد کی رفتہ رفتہ بدلی ہوئی شکل ہیں جس میں زیادہ بڑی جسامت کے بیجوں، بہتر پھل اور دیگر مطلوبہ خواص کے مسلسل انتخاب نے بڑی مدد کی۔ انسان کسی نہ کسی طریقے سے کاشت کاری کر کے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ دنیا میں آبادی کے اضافے کے ساتھ ساتھ غذا کی ضرورت اور اہمیت بھی بڑھ رہی ہے۔ جن علاقوں میں زمین زرخیز ہے، بارش کافی ہوتی ہے یا نہروں کے ذریعے آب پاشی کی جاسکتی ہے، پرانے طریقوں کو چھوڑ کر مصنوعی کھاد اور مشینی ہل (ٹریکٹر) استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس طرح پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہے اور سال میں کم از کم دو فصلیں پیدا کی جانے لگی ہیں۔ فصل ربیع موسمِ سرما کی فصل ہے جو موسم گرما میں کاٹی جاتی ہے اور فصل خریف گرمیوں کی فصل ہے جو سردی شروع ہوتے ہی کاٹی جاتی ہے۔

کیڑے مکوڑوں کی روک تھام کے لیے اسپرے کا استعمال

جن علاقوں میں زمین زرخیز اور ہموار ہے، بارش کافی ہوتی ہے اور آب و ہوا بھی موافق ہے، وہاں لوگ کاشت کاری کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اور وہاں آبادی بھی گنجان ہوتی ہے۔ ایسے علاقے زیادہ تر دریاؤں کی وادیوں اور ڈیلٹاؤں میں واقع ہیں۔ مون سون آب و ہوا کے خطے اور بحیرۂ روم کی آب و ہوا کے خطے میں لوگوں کا اہم پیشہ کاشت کاری ہے۔

آبادی کے لحاظ سے دنیا کی زراعت
N
پیمانہ
۰ کلومیٹر
۲۰۰
۴۰۰ کلومیٹر
کلید نقشہ
آبادی کا تناسب زراعت میں
۸۰ سے زیادہ
۸۰-۶۰
۶۰-۳۰
۳۰-۱۰
۱۰ سے کم
بلکل نہیں
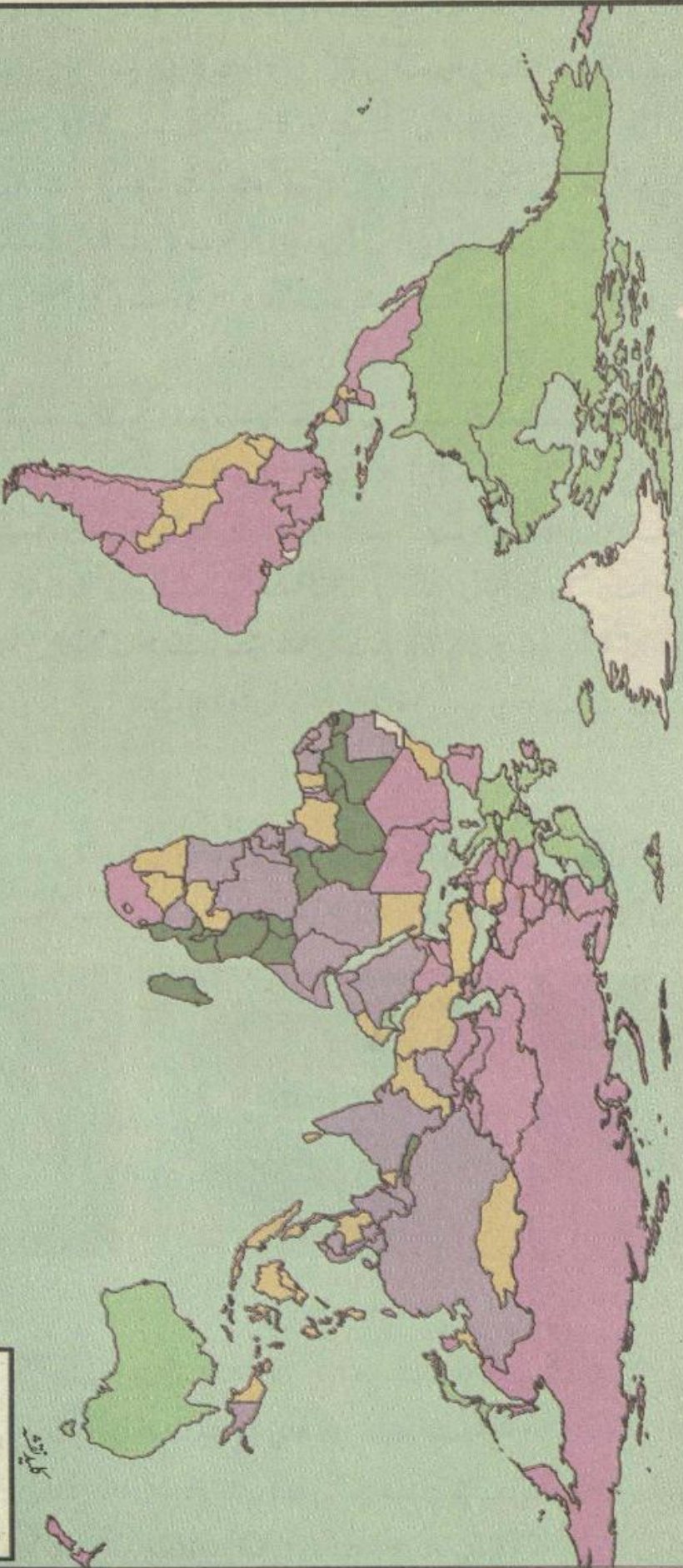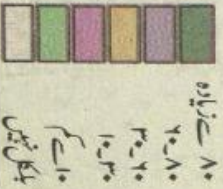
ایشیا میں پاکستان، بنگلہ دیش، عراق، ترکی اور انڈونیشیا کے علاقوں میں اور افریقہ میں مصر، وسطی ایشیا، کینیڈا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور ارجنٹینا کے زرخیز اور ہموار میدانی علاقوں میں بھی کاشت کاری ایک اہم پیشہ ہے۔ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور ترکی کی تقریباً 70 فیصد آبادی دیہات میں آباد ہے اور کاشت کرتی ہے۔ عوامی جمہوریہ چین میں دریائے چانگ ژیانگ اور ہونگ ہو کے میدانی علاقوں میں لوگوں کا خاص پیشہ کاشت کاری ہے۔ بھارت میں گنگا، پاکستان میں دریائے سندھ اور عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے میدانوں میں زیادہ تر لوگ کاشت کاری کرتے ہیں۔ وسطی ایشیا کے ہموار میدانی علاقے، کینیڈا کے وسطی اور مغربی حصے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے وسطی حصوں میں زراعت ایک اہم پیشہ ہے۔

جدید کاشتکاری کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس کا حلقہ بہت زیادہ دیکھ بھال کے چھوٹے قطعات سے لے کر ہزاروں ایکڑ پر پھیلے ہوئے تجارتی کھیتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ کامیاب کاشتکار وہ ہوتا ہے جو اپنی زمین اور موسم کے لحاظ سے مناسب پودوں کی مختلف انواع اور اقسام کے انتخاب کا ماہر ہو۔ ان کو اپنی زمین کو تیار کرنے میں اور پنیری لگانے، پودا لگانے، اس کی نشوونما، حفاظت، فصل کی کٹائی اور فصل کو بحفاظت جمع کرنے میں انتہائی ہنر مند ہونا چاہیے۔ وہ خس و خاشاک، کیڑے مکوڑوں، جراثیم اور بیماریوں پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور پھر انھیں اپنی فصلوں سے مناسب آمدنی اور منافع حاصل کرنے کے لیے اچھی تجارتی صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے۔

دست کاریاں

اپنے ہاتھوں سے آرائشی یا ضرورت کی اشیاء تیار کرنے کو دست کاری کہا جاتا ہے۔ کچھ اشیاء کی تیاری میں تاہم ہاتھ یا بجلی سے چلنے والے آلات بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ مختلف ممالک کے لوگ مختلف قسم کی دستکاریاں بناتے ہیں
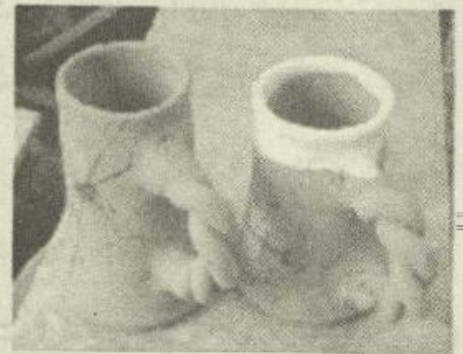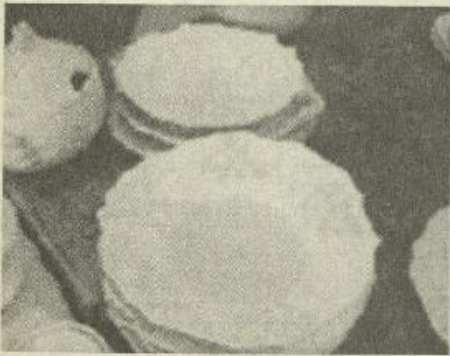
دست کاریاں

اور اس طرح وہ دستکاریاں اسی علاقے کے لوگوں سے وابستہ یا مشہور ہوجاتی ہیں۔ اس کی مثالوں میں کشیدہ کاری، کڑھائی، بُنائی، ٹوکری سازی یا سوزن کاری، میکریم (بٹے ہوئے دھاگوں کی جھالر سازی)، ایمبرائیڈری، قالین سازی، توشک سازی (رلّی سازی)، باتیک (موم کے ذریعے کپڑے پر نقش و نگار بنانا)، جالی دار پردوں پر چھپائی، چمڑے کی اشیاء کی دستکاری، برتن سازی، چوب کاری یا کندہ کاری اور زیورات سازی ایسی دستکاریاں ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

آج کل چند دوسری دستکاریاں بھی مستعمل ہیں ان میں پارچہ بافی اور دوسری پلاسٹک کی اشیاء کی تیاری، ڈبل روٹی کے چُورے سے مجسمہ سازی (آٹے سے مجسمہ سازی)، کڑھائی، بُنائی اور کروشیا سے کشیدہ کاری، کپڑوں سے کھلونے اور گڑیا سازی، پھولوں کی آرائش، مونگے اور سیپیوں کی حرفت، موم بتی سازی، لکڑی یا چوب سے پچی کاری یا فرشی مینا کاری و کندہ کاری اور لکڑی سے ہی اسٹینسل اور مجسمہ سازی وغیرہ شامل ہیں۔ دیہات میں عام طور سے اور شہروں میں بھی کچھ لوگ دستکاریوں کے ماہر ہوتے ہیں اور اسی سے اپنی روزی کماتے ہیں۔

صنعت وحرفت

لفظ انڈسٹری (صنعت) لاطینی لفظ ''انڈسٹریا''(Industria) سے ماخوذ ہے جس کے معنی جانفشانی، تندھی اور مستقل مزاجی سے محنت کے ہیں۔ اس سے انتہائی منظّم طور اور طریقے کا اظہار ہوتا ہے جس میں انسانی توانائی، قدرتی وسائل اور ٹیکنالوجی (فنیت) کے باہم ملاپ سے جدید معیشت میں اشیاء کی تیاری اور خدمات کا حصول ہے۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ صنعتوں کے قیام کا تقاضہ کرتا ہے۔

روزانہ کی ضروریاتِ زندگی کی مختلف اشیاء تیار کرنے کے لیے کارخانے قائم کیے جاتے ہیں اور وہ ایسے علاقوں میں لگائے جاتے ہیں جہاں خام مال کافی مقدار میں مل سکتا ہو۔ آب و ہوا موزوں ہو، ذرائع آمدورفت اچھے ہوں، گنجان آبادی کے علاقے قریب ہوں تاکہ تیار شدہ مال کے لیے منڈی اور بیوپاری آسانی سے دستیاب ہوسکیں۔

دنیا کے بہت سے ممالک نے صنعت وحرفت میں بڑی ترقی کی ہے۔ ایسے ممالک ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں۔ ان میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا، یورپ کے بیشتر ممالک، روس، جاپان اور چین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اہم صنعتوں میں اونی، سوتی اور ریشمی کپڑا بنانا، شکر، سیمنٹ، کاغذ، ادویات، آلاتِ جراحی، بجلی کا سامان تیار کرنا، جہاز سازی، ریل وموٹر کی صنعت اور آرائش و زیبائش کا سامان بنانا شامل ہیں۔ بھارت، پاکستان، ایران اور ترکی نے بھی صنعتی میدان میں کافی ترقی کی ہے۔ ان سب ممالک کے مختلف کارخانوں میں کام کرنے والوں کا پیشہ صنعت وحرفت ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہے جہاں کم وبیش اس پیشے کے لوگ موجود نہ ہوں۔

کان کنی

اپنے وسیع تر معنوں میں کان کنی سے مراد قشر ارض سے کارآمد معدنیات کا حصول ہے۔ اس عمل میں زیرزمین کانوں کی کھدائی اور سطح زمین پر کھلے ہوئے علاقے یا دراڑی کانوں کی کھدائی شامل ہیں۔ مزید یہ کہ حالیہ فنی ترقی اور فروغ سے سمندروں میں زیرآب دھاتی خام معدنیات کا حصول بھی نفع بخش طور پر ممکن ہوسکے گا۔

جن ممالک میں معدنیات پائی جاتی ہیں وہاں بے شمار لوگ کانوں میں کام کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں آس پاس کے علاقے آباد ہوجاتے ہیں۔ کانوں کے اندر کام کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لیے کان کنوں کی حفاظت کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور حکومت اس سلسلے میں ضروری قوانین نافذ کرتی ہے۔ کان کنی کے ذریعے حاصل کی

جانے والی معدنیات میں نمک، لوہا، کوئلہ، تانبا، جست، سیسہ، قلعی، چاندی، سونا، گندھک اور ابرق وغیرہ شامل ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا، برازیل، برطانیہ، فرانس، جرمنی، بیلجیئم، روس، چین، جاپان، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں کان کنی ایک اہم پیشہ ہے۔ بھارت میں بھی کوئلے اور ابرق کی کانیں ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی کچھ نہ کچھ چھوٹی یا بڑی کانیں موجود ہیں اور ان میں کام کرنے والوں کا پیشہ کان کنی ہے۔ اس طرح دنیا کے ہر ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کا پیشہ کان کنی ہے۔

تجارت و کاروبار

موجودہ دور میں صنعت و حرفت کو بہت ترقی ہوئی ہے۔ صنعتوں کے لیے خام مال کی ضرورت ہوتی ہے اور تیار شدہ مال دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے۔ اس خام مال اور تیار شدہ مال کے لین دین کو کاروبار کہتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے پر ہر شہر میں بھی چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ یہ بھی کاروبار میں شامل ہے۔ صارفین کو ان کی ضرورت کی اشیاء اور خدمات مہیا کرنے کے لیے منظم کوشش تجارت کہلاتی ہے۔ لفظ "بزنس"، (تجارت) کا اطلاق ایسی تنظیم پر بھی ہوتا ہے جو یہ اشیاء اور خدمات مہیا کرتی ہے۔ کاروبار کرنے والے لوگوں کا پیشہ تجارت ہوتا ہے۔ تجارت صرف عام لوگوں تک ہی محدود نہیں بلکہ مختلف حکومتیں بھی آپس میں سرکاری طور پر تجارتی لین دین کرتی ہیں۔

صنعتی ممالک میں خام مال کی فراہمی اور تیار شدہ مالک کی فروخت کے مختلف مراحل میں لاتعداد لوگ تجارت کے پیشے سے منسلک ہیں۔

بہتر معیارِ زندگی حاصل کرنے کے لیے خوراک، تعلیم، صحت، رہائش اور تفریح کے بہتر مواقع مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا انحصار اس منصوبہ بندی پر ہے کہ تعلیم اور متوازن خوراک عام افراد تک پہنچائی جاسکے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی (اطلاعتی فنّیت)

ہر دور میں مختلف قسم کی ٹیکنالوجی (فنیتیں) متعارف ہوئی ہیں اور ان سے بھرپور استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ سب سے پہلے پہیہ ایجاد ہوا جو ٹیکنالوجی کا آغاز کہلایا۔ اس کے بعد بجلی اور بجلی سے چلنے والی چیزیں ایجاد ہوئیں۔ آمدورفت کے لیے گاڑیاں اور ہوائی جہازوں کی ایجادات سے ٹیکنالوجی کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب آیا۔

ٹیکنالوجی کے فروغ کا یہ سفر نہ ختم ہونے والا ہے۔ ٹیکنالوجی روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ جدید دور میں اس کی اہم پیش رفت انفارمیشن ٹیکنالوجی (اطلاعتی فنیت) ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت دنیا سکڑ کر رہ گئی ہے۔ دنیا کے دور دراز کے ممالک انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں پیش آنے والا معمولی سے معمولی واقعہ بھی چند لمحوں کے اندر تمام دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

مصنوعی سیّاروں کے ذریعے نہ صرف آواز سنی جاسکتی ہے بلکہ اصل تصویریں ٹیلی ویژن پر ہمہ وقت دیکھی جاسکتی ہیں۔ ٹیلی فون، ٹیلی گرام اور ای میل (e-mail) کے ذریعے پیغام رسانی انتہائی آسان اور تیز رفتار ہوگئی ہے۔ کمپیوٹر کے

ذریعے نہ صرف تعلیمی پروگرام پیش جاسکتے ہیں بلکہ روزمرہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کا استعمال عام ہوگیا ہے۔ اس کے ذریعے سے طلباء اپنے گھر بیٹھ کر دنیا کے کسی بھی کونے سے رابطہ کر سکتے ہیں اور تمام ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور وہ دنیا کے کسی بھی تعلیمی ادارے سے مطلوبہ موضوع پر معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے مضامین جن کے بارے میں اپنے ملک میں معلومات میسر نہ ہوں وہ انٹرنیٹ کے ذریعے چند لمحوں میں دوسرے ممالک سے حاصل ہوجاتی ہیں۔ دراصل انٹرنیٹ کمپیوٹر کا وہ نظام جس میں دنیا کا کوئی کمپیوٹر کسی دوسرے کمپیوٹر سے معلومات حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے بھی کمپیوٹر کا استعمال عام ہے۔ مثلاً جدید تحقیق، تفریحی اور کاروباری مقاصد وغیرہ۔ کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لیے تو کمپیوٹر کا نظام بہت مفید ہے۔ اس سے نشرواشاعت کا کام آسان ہوگیا ہے۔ ہوائی کمپنیاں کمپیوٹر کے ذریعہ اپنے کاروبار کو نہ صرف فروغ دے رہی ہیں بلکہ ان کا کام انتہائی آسان ہوگیا ہے۔ تجارتی ادارے اس کا استعمال معلومات کے تبادلے اور ترسیلِ زر کے لیے عمل میں لارہے ہیں۔ کمپیوٹر کے ذریعہ طباعت کا کام بھی آسان اور موثر ہوگیا ہے۔

پاکستان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کے لیے کئی اقدامات کئے جارہے ہیں۔ مختلف اداروں کو کمپیوٹر فراہم کیے جارہے ہیں۔ کمپیوٹر کی تربیت کے بے شمار ادارے قائم ہوگئے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ایک علیحدہ یونیورسٹی بھی قائم ہوچکی ہے۔ حکومت کے منصوبے کے مطابق انفارمیشن ٹیکنالوجی کو لوگوں کے لیے عام، سستا اور مفید بنانا ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے حال ہی میں ایک وِرچول یونیورسٹی (Virtual University) کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس کا مقصد بھی ہونہار طلباء کو سستی اور معیاری تعلیم دینا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی ایک معقول روزگار فراہم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی مختلف مسلمان اور دیگر ممالک کے درمیان معلومات کے تبادلے کا اہم ذریعہ ثابت ہوگا۔ اس کی بدولت یہ ممالک اپنے وسائل کا بہتر استعمال کرسکیں گے اور اپنے مسائل پر قابو پائیں گے۔ ان ممالک میں روزگار کے حصول کے مواقع بڑھیں گے۔ آپس میں بھائی چارے کو فروغ ہوگا۔ اس کے ذریعے عوام میں شعور اجاگر کرنے اور ان کو خواندہ بنانے میں بھی مدد ملے گی۔ مسلمان ممالک کو اس ضمن میں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوکر انفارمیشن ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھنا ہوگا۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1. مویشی پالنے سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟
2. دنیا کے کون کون سے علاقے کاشت کاری کے لیے موزوں ہیں؟
3. کان کنی کا پیشہ کن علاقوں میں اختیار کیا جاتا ہے؟

4. تجارت کو کیا اہمیت حاصل ہے؟
5. انفارمیشن ٹیکنالوجی سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ فوائد بیان کیجیے۔
6. پاکستان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کے لیے کیا اقدام کیے جا رہے ہیں؟

(ب) درست جواب پر صحیح (✓) کا نشان لگائیے۔

(i) .... سرسبز اور زرخیز علاقوں میں کی جاتی ہے۔ (کاشتکاری، صنعتکاری، ماہی گیری)
(ii) ربیع کی فصل .... میں کاشت کی جاتی ہے۔ (موسمِ گرما، موسمِ بہار، موسمِ سرما)
(iii) دنیا کے بہت سے ممالک نے ...... میں ترقی کی ہے۔ (صنعت و حرفت، زراعت، تجارت)

(ج) سرگرمیاں

1. آپ کے گھر کے قریب کوئی کارخانہ ہو تو اسے جا کر دیکھیے اور اپنے دورے کا حال بیان کیجیے۔
2. اپنے علاقے میں گھوم پھر کر دیکھیے کہ لوگ روزی کمانے کے لیے کون کون سے پیشے اختیار کیے ہوئے ہیں۔
3. دنیا کے نقشے کے خاکے میں وہ علاقے دکھائیے جو صنعت حرفت کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔
4. آپ کے شہر میں کوئی تجارتی منڈی ہو تو جا کر وہاں فروخت کی جانے والی چیزیں دیکھیں۔
5. بالواسطہ یا بلاواسطہ گلہ بانی (مویشی پالنے) کی ہماری زندگی میں کیا اہمیت ہے؟ اپنی معلومات پر جماعت میں گفتگو و بحث کیجیے۔
6. کسی زرعی فارم (کھیت) کا دورہ کیجیے اور کاشتکاری کس طرح کی جاتی ہے اس کا مشاہدہ کیجیے اور کسی کاشتکار سے اس کے کاشتکاری کے طریقوں کے بارے میں انٹرویو کیجیے۔
7. پاکستان کے مختلف علاقوں کی دستکاریوں کے بارے میں معلومات اور تصاویر اکٹھی کیجیے۔ اپنی جماعت کو ٹکڑوں میں بانٹ لیں اور ہر گروہ کسی ایک علاقے کے بارے میں معلومات اکٹھی کرے۔ اپنی معلومات پر پوری جماعت سے گفتگو کیجیے۔
8. ایشیا کے ممالک کی بڑی صنعتوں کے بارے میں معلومات جمع کیجیے۔

دنیا کی آبادی

کسی مخصوص علاقے مثلاً شہر، ملک یا براعظم میں کسی ایک خاص وقت میں رہائش پذیر تمام انسانوں کی تعداد ''آبادی'' کہلاتی ہے۔ ایک مضمون کے طور پر مطالعۂ آبادی ''مردم نگاری'' یا ''آبادیت'' (Demography) کہلاتا ہے۔ اس کا تعلق آبادی کے حجم، ہئیت و ترکیب اور تقسیم وقت کے ساتھ پیدائش، اموات اور نقل مکانی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کے رجحان اور ان تبدیلیوں کے اثرات و نتائج سے ہے۔ مطالعۂ آبادی سے وہ معلومات اکٹھی ہوتی ہیں جو حکومت کی جانب سے صحت، تعلیم، مکانات و رہائش، سماجی بہبود و تحفظ اور ملازمتوں کے میدان میں منصوبہ بندی کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ ایسے مطالعوں سے وہ اطلاعات بھی مہیا ہوتی ہیں جو آبادی کے بارے میں حکومت کی پالیسی سازی کے لیے ضروری ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آبادی کے رجحان کو اس طرح بہتر بنایا جائے کہ اس سے معاشی اور سماجی مقاصد حاصل ہوسکیں۔

تقسیمِ آبادی

کچھ علاقے بہت گنجان آباد ہیں اور کچھ نہیں ہیں۔ انسان نے ایسی جگہوں کو منتخب کیا ہے جو آبادی کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ ایسے میدانی علاقے جہاں پانی وافر مقدار میں دستیاب ہو، آبادی کے لیے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دریائی وادیاں سب سے زیادہ گنجان آباد علاقے ہوتی ہیں۔ مثلاً پاکستان میں دریائے سندھ کی وادی اور بھارت میں گنگا کی وادی۔

پوری دنیا میں انسانی آبادی پھیلی ہوئی ہے۔ جس طرح کچھ زمین آباد ہے اور کچھ غیر آباد، اسی طرح زمین کے کسی حصے میں آبادی زیادہ گنجان ہے، کسی میں کم آبادی اور کہیں بالکل نہ ہونے کے برابر۔ کرۂ ارض پر آبادی کی اس تقسیم کے کچھ دلچسپ اور نمایاں پہلو یہ ہیں:

☆ اقوامِ متحدہ کے اندازوں کے مطابق دنیا کی کل آبادی 6 ارب سے زائد ہے۔

☆ دنیا کی کل آبادی کا 85 فیصد حصہ شمالی نصف کرہ میں آباد ہے۔

☆ دنیا کی آبادی کا 80 فیصد حصہ روئے زمین کے صرف 20 فیصد حصے پر آباد ہے۔
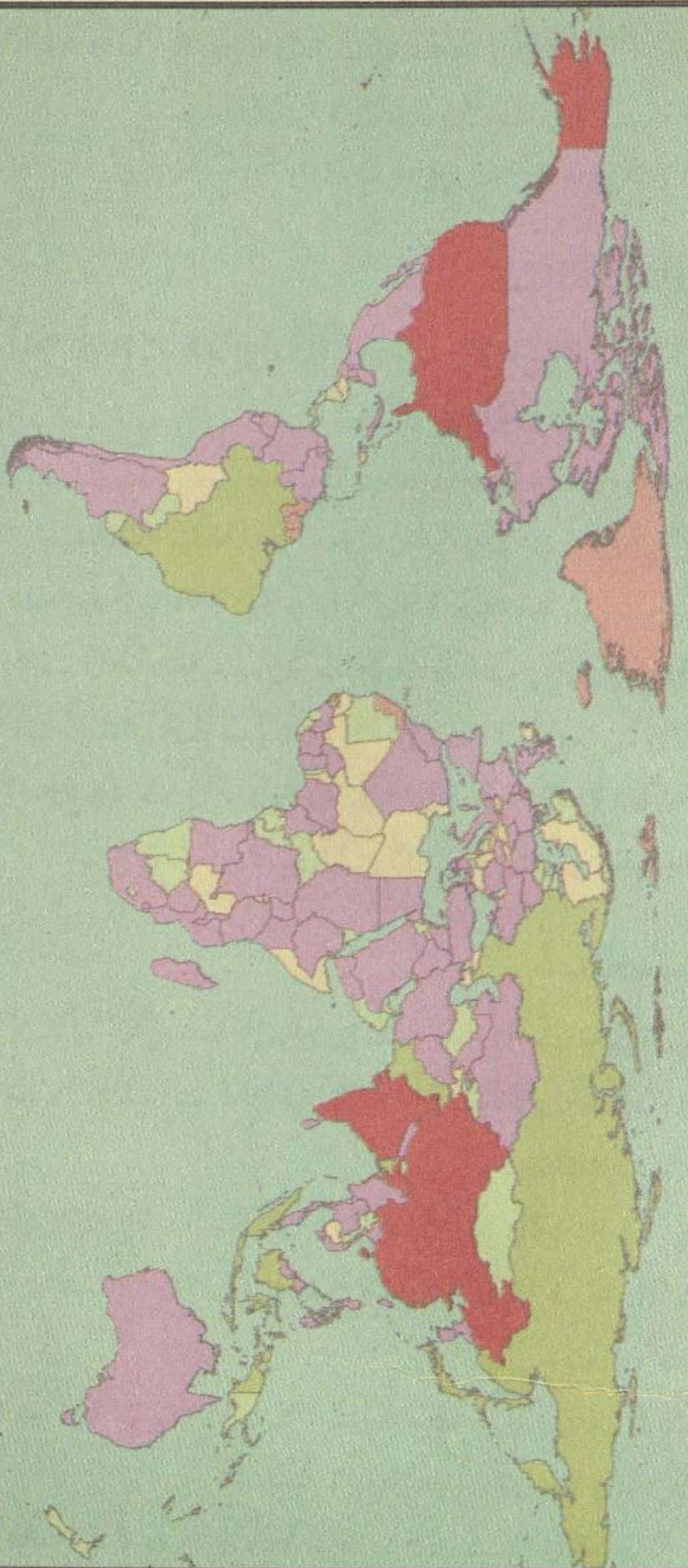
دنیا کی آبادی
پیمانہ
۴۰۰ کلومیٹر
۲۰۰
۰ کلومیٹر
N
کلید نقشہ
آبادی
۲۰۰۰۰۰۰۰۰ سے زیادہ
۲۰۰۰۰۰۰۰۰ _ ۱۰۰۰۰۰۰۰۰
۱۰۰۰۰۰۰۰ _ ۱۰۰۰۰۰۰۰۰
۱۰۰۰۰۰۰۰ _ ۵۰۰۰۰۰۰۰
۵۰۰۰۰۰۰۰ _ ۱۰۰۰۰۰۰
۱۰,۰۰,۰۰۰ سے کم
معلوم نہیں

☆ کرۂ ارض پر ناقابلِ سکونت علاقے اتنے زیادہ ہیں کہ وہ کرۂ ارض کا 50 فیصد بنتے ہیں۔ سکونت کے قابل حصے کا کل رقبہ زمین کا بقیہ 50 فیصد ہے۔

☆ کرۂ ارض کا دو تہائی حصہ پانی اور ایک تہائی خشکی پر مشتمل ہے۔

گنجان آبادی والے علاقے

دنیا میں چار ایسے بڑے علاقے ہیں جن میں دنیا کی کل آبادی کا تین چوتھائی حصہ آباد ہیں۔ وہ علاقے یہ ہیں:

1. مشرقی چین، کوریا، جاپان، تائیوان۔
2. پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور سری لنکا۔
3. وسطی مغربی یورپ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، بیلجیئم، ڈنمارک اور برطانیہ۔
4. ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا شمال مشرقی اور کینیڈا کا جنوب مشرقی حصہ۔

ان بڑے گنجان آباد علاقوں کے علاوہ چند چھوٹے لیکن زیادہ گنجان آبادی کے علاقے دنیا کے مختلف حصوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں انڈونیشیا کا جزیرہ جاوا، مصر میں دریائے نیل کی وادی، جھیل وکٹوریہ سے ملحقہ جنوبی علاقے، نائیجیریا، جنوبی افریقہ اور گھانا کا ساحلی علاقہ، شمالی امریکہ میں مغربی ساحل کے ساتھ کیلیفورنیا کا کچھ حصہ، جنوبی امریکہ میں جنوب مشرقی برازیل اور ارجنٹائن کا شمال مشرقی ساحل کے قریب کا علاقہ شامل ہیں۔

کم آبادی والے علاقے

ہر براعظم میں ایسے علاقے بھی پائے جاتے ہیں جہاں سکونت و رہائش ممکن نہیں یا جہاں آبادی بہت کم ہے۔

1. کم آبادی والے علاقوں کا ایک بڑا حصہ صحرائے صحارا سے لے کر صحرائے عرب، ایران اور وسطی ایشیا سے منگولیا تک پھیلا ہوا ہے۔
2. قطب جنوبی کے گرد برفانی براعظم انٹارکٹیکا، شمالی نصف کرہ میں گرین لینڈ اور براعظم ایشیا اور براعظم یورپ کے شمالی علاقے انتہائی سردی کے سبب غیر آباد ہیں۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی کی کل آبادی دس لاکھ سے بھی کم ہے۔
3. استوائی خطے کی آبادی بھی کم ہے۔ دریائے ایمیزن اور دریائے کانگو کے طاس اور جزیرہ بورنیو سکونت کے لیے غیر موزوں ہیں۔ یہاں آبادی بہت کم ہے۔
4. انتہائی بلند ترین پہاڑی علاقے مثلاً کوہ ہمالیہ، کوہ قراقرم، کوہ راکیز اور کوہ انڈیز کے علاقے تقریباً غیر آباد ہیں۔

گنجان آبادی یا کم آبادی کے اسباب

کسی علاقے میں آبادی کے کم یا زیادہ ہونے پر مندرجہ ذیل عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔

1. جغرافیائی عوامل

کسی علاقے کی زمین ہموار، نرم اور زرخیز ہو تو اسے آباد کرنا اور سکونت کے قابل بنانا آسان ہوتا ہے۔ اس میں کھیتی باڑی اور باغبانی کے ذریعے پیداوار اور ضروریات زندگی باآسانی مہیا کیے جاسکتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں رہائش اختیار کرنا، گھر بنانا اور ضروریاتِ زندگی حاصل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اس لیے ایسے علاقے زیادہ گنجان آباد ہوتے ہیں اس کے برعکس دشوار گزار علاقے، پہاڑ، جنگل یا بنجر اور بے آب و گیاہ زمین سکونت کے لیے موزوں نہیں ہوتی، اس لیے ایسے علاقوں میں آبادی بہت کم ہوتی ہے۔

2. آب و ہوا

جن علاقوں کی آب و ہوا اچھی ہو اور بارشیں وقت پر ہوں، وہاں صحت اچھی رہتی ہے۔ لوگ خوب محنت کرتے ہیں۔ پیداوار بہت ہوتی ہے۔ خوراک بکثرت میسر آتی ہے۔ دریاؤں کی وادیوں میں بھی زمین نرم، زرخیز اور زراعت کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ اس لیے ان علاقوں میں آبادی عموماً زیادہ ہوتی ہے۔ بڑے بڑے قدیم شہر دریاؤں کے کنارے ہی آباد تھے۔ مصر کی وادیٔ نیل، بھارت کی وادیٔ گنگا وجمنا، پاکستان کی وادیٔ سندھ اور عراق کی وادیٔ دجلہ وفرات اس کی مثالیں ہیں۔ معتدل اور نیم گرم آب و ہوا والے علاقے جہاں بارش کافی ہوتی ہے اکثر آباد ہیں مثلاً بحیرۂ روم کی آب و ہوا کا خطہ اور مون سون آب و ہوا کا خطہ، اس کے مقابلے میں شدید سردی، شدید گرمی والے علاقے، استوائی جنگلات اور صحرائی علاقے کم آباد ہیں۔

3. معدنی پیداوار

وہ علاقے جہاں قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں مثلاً کوئلہ، لوہا، تیل، گیس یا قیمتی پتھر وغیرہ، وہاں روزگار حاصل کرنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ایسے علاقے گنجان آباد ہوجاتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں نقل وحمل کی سہولتیں بھی موجود ہوتی ہیں۔ معدنی دولت کے حامل علاقوں کے قریب کارخانے اور فیکٹریاں بھی قائم ہوجاتی ہیں۔ اس طرح بڑے بڑے شہر وجود میں آجاتے ہیں اور آبادی بڑھ جاتی ہے۔

4. تجارتی شاہراہیں

جو مقامات یا علاقے تجارتی شاہراہوں کے آس پاس واقع ہوں وہاں آبادی بڑھ جاتی ہے۔ خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی راستے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ ایسے شہر اور علاقے جہاں تجارتی منڈیوں کے علاوہ بڑی بندرگاہیں اور ہوائی اڈے ہیں، ان کی آبادی بڑھ جاتی ہیں۔

5. سیاسی اور اقتصادی حالات

ایسے علاقے جہاں سیاسی حالات پرسکون ہوں، لوگوں کو معاشرتی آزادیاں اور معاشی سہولتیں میسر ہوں وہاں کی آبادی زیادہ گنجان ہوتی ہے۔ بعض اوقات سیاسی، مذہبی اور سماجی وجوہات کی بناء پر آبادی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہوجاتی ہے۔ جس طرح تقسیم کے وقت ہندوستان سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان منتقل ہوگئے تھے اور لاکھوں غیر مسلم بھارت منتقل ہوئے تھے۔ اسرائیل کے ناجائز قیام کے بعد دنیا بھر کے یہودی فلسطین میں آکر جمع ہوگئے اور ان کی وجہ سے تقریباً بیس لاکھ فلسطینی مسلمان پڑوس کے مسلم ممالک میں ہجرت پر مجبور کردیئے گئے۔

آبادی میں اضافہ کیوں ہورہا ہے؟

فی نفسہٖ یہ بہت آسان ریاضی ہے کہ پیدا ہونے والوں کی تعداد مرنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔

ہم پیدائشوں کو پیدائشی شرح سے ناپتے ہیں اور اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی ملک کی فی ہزار آبادی میں سالانہ کتنے بچے پیدا ہورہے ہیں۔ اسی طرح اموات کو بھی شرح اموات سے ناپا جاتا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ فی ہزار آبادی میں سالانہ کتنی اموات واقع ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بچے کیوں زیادہ پیدا ہوتے ہیں؟

اضافۂ آبادی سے فکرمند زیادہ تر ممالک میں شرح پیدائش میں اضافے کی مختلف وجوہات ہیں۔

☆ روزگار اور کمائی میں مدد کے لیے بچوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندانی کھیتوں اور زمینوں پر کام کرنے کے لیے خاندانی تجارت اور کاروبار میں مدد کرنے یا بوڑھے ہونے پر والدین کی دیکھ بھال کے لیے بچوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ بچے والدین کے لیے خوشی، مسرت، فخر وانبساط کا باعث اور اہمیت کی علامت ہوتے ہیں۔

☆ مقامی یا قومی معاشرہ یا حکومت بڑے خاندان کی حوصلہ افزائی کرتی ہو۔

☆ والدین، عہد طفلی اموات (یعنی بچوں کی بچپن میں ہی اموات) سے خوفزدہ ہوں اور اس لیے ضرورت سے زیادہ بچوں کے طالب ہوں تاکہ ''ضرورت کے مطابق زندہ رہ جانے کی'' ضمانت مل سکے۔

☆ بہتر طبی سہولتوں کے باعث ماؤں کی زندگیوں میں اضافہ ہورہا ہے اس لیے بڑے خاندان کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔

☆ عوام کو خاندانی منصوبہ کی اسکیموں سے بے بہرہ ہوں۔ نیز یہ کہ ان اسکیموں کو اللہ کی مرضی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

اب اموات کیوں کم ہوگئی ہیں؟

بے شمار ممالک میں جہاں اضافہ آبادی بہت تیز ہے وہیں شرح اموات میں بھی خاطر خواہ کمی ہوئی ہے۔ اس طرح پیدائش و اموات میں نمایاں فرق پیدا ہوگیا ہے۔ اموات میں کمی کی بھی مختلف وجوہات ہیں۔

ماضی کے مقابلے میں بہتر طبی سہولتوں اور مراعات اور (مہلک بیماریوں مثلاً پولیو وغیرہ) حفاظتی ٹیکوں کے پروگرام، زچگی اور پیدائش کے دوران بہتر سہولتوں، بڑے پیمانے پر ادویات کی دستیابی اور ماہرانہ طبی مشوروں کی سہولت کی موجودگی سے شرح اموات کم ہوئی ہے۔ اکثر حالات میں طبی سہولتوں کی یہ سطح مطلوبہ حد سے بہت کم ہوسکتی ہے تاہم پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ بیشتر ممالک میں غذا و رتغذیہ میں عمومی اور افزودگی سے بھی فرق پڑا ہے۔ تاہم دنیا بھر میں بھوک، افلاس، قحط اور عدم تغذیہ کا شکار لاکھوں افراد کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن بین الاقوامی امداد و تعاون کے پروگراموں، فصلوں کی بہتر پیداوار اور متاثرہ علاقوں پر نظر رکھنے سے اب پہلے کے مقابلے میں زیادہ محفوظ خانے بن گئے ہیں۔

پاکستان کی آبادی میں اضافہ

دنیا کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ جن ممالک کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے ان میں پاکستان اور کئی ایشیائی ممالک شامل ہیں۔ جون 2003ء کے اندازے کے مطابق پاکستان کی موجودہ آبادی 150 ملین ہے۔ اس آبادی میں سالانہ 2.1 فیصد اضافہ ہورہا ہے۔ آبادی کا یہ اضافہ انتہائی خطرناک ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے ملک کے وسائل پر دباؤ بڑھے گا اور بہت سارے سماجی، معاشی اور اخلاقی مسائل پیدا ہوں گے۔ یہ جان لینا ضروری ہے کہ آبادی بڑھنے سے بنیادی ضروریات کی مانگ میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ پیداوار میں اضافہ نہ ہو تو لوگوں کو کئی مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آبادی اور پیداوار میں تناسب اور توازن قائم رہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ وسائل کام میں لاکر خوب محنت کرکے پیداوار میں اضافہ کریں تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات پوری ہوسکیں۔ آبادی کے پھیلاؤ اور اضافہ کی وجہ سے جو نئے رجحانات پیدا ہورہے ہیں ان کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:

آبادی کی نقل مکانی

دنیا میں صنعتی انقلاب کے بعد روزگار، تعلیم اور بہتر معیارِ زندگی کی تلاش میں آبادی دیہات سے شہروں کی طرف منتقل ہونے لگی۔ جب کوئی ملک زرعی معیشت سے صنعتی معیشت کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو دیہاتوں سے ایک بہت بڑی تعداد قصبات اور شہروں کی جانب رخ کرتی ہے اور دیہی آبادکار وسیع پیمانے پر شہروں میں نقل مکانی کرجاتے ہیں۔ اس عمل میں شہری علاقوں میں اضافہ آبادی کی شرح میں عمومی اضافے کے مقابلے میں دوگنا زیادہ ہوتا ہے۔ 1950ء میں دنیا کی آبادی کا صرف 23 فیصد شہروں میں رہتا تھا جو بڑھ کر 1990 میں 43 فیصد ہوگیا اور اندازہ ہے کہ 2005ء تک شرح تقریباً 50 فیصد ہوجائے گی۔ ترقی یافتہ ممالک مثلاً برطانیہ، جرمنی، سویڈن وغیرہ میں کل آبادی کا 80 فیصد حصہ شہروں میں رہتا ہے۔

شہروں میں منتقلی کے رجحان سے دیہاتی علاقوں میں بسنے والے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دیہی علاقوں میں آبادی کے اضافے کی شرح منفی ہوجاتی ہے۔

نقلِ مکانی یا ہجرت کر کے شہروں میں آباد ہونے والے زیادہ تر افراد کا معیارِ زندگی اپنے بزرگوں سے بہت بہتر ہوگیا ہے۔ اگرچہ کہ انھیں بھی ہجوم، افراد کی زیادتی، پست معیار کے مکانات اور ناکافی شہری سہولتوں کا سامنا ہے جو شہری مراکز کا رخ کرنے والے افراد کا مقدر ہے۔ بڑے شہروں میں خصوصاً ان حالات و مسائل سے نپٹنے کے لیے کم ترقی یافتہ ممالک کی حکومتوں کو بے انتہا مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک میں آبادی کا بہاؤ دیہات سے شہروں کی طرف ہے۔ آبادی کے اس بہاؤ نے شہروں میں سکونت، صحت و صفائی، علاج اور تعلیم کے مسائل کے علاوہ بے شمار انسانی اور سماجی مسائل پیدا کردیئے ہیں۔

اگر دیہات میں کھیتی باڑی کو ترقی دی جائے، کسانوں کو مشینی آلات، اچھے بیج، مصنوعی کھاد اور آسان شرائط پر قرضوں کی سہولتیں مہیا کردی جائیں تو پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ دیہی آبادی خوش حال ہوگی۔ انھیں خوراک، سکونت، تعلیم، علاج معالجے کی سہولتوں کے ساتھ بجلی، پانی اور آمدورفت کی بہتر سہولتیں باآسانی میسر آنے لگیں تو شہروں کی طرف آبادی کا بہاؤ رک جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اہم مسئلہ امن وامان کا ہے۔ شہروں پر آبادی کا دباؤ بڑھنے کی وجہ سے مختلف قسم کے جرائم میں اضافہ ہورہا ہے۔ بدعنوانی کو فروغ ہورہا ہے جس سے معاشرے کا ڈھانچہ بری طرح متاثر ہورہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مختلف اقدامات کے ذریعہ آبادی کو شہروں میں منتقل نہ ہونے دیا جائے۔

مرد اور خواتین

مرد اور خواتین کسی بھی معاشرے کا اہم جزو ہیں۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک مرد اور خواتین کو ترقی کے یکساں مواقع نہ ہوں۔ موجودہ دور میں خواتین کا کردار بہت اہم ہے۔ خواتین کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرکے ہی ترقی ممکن ہے۔ پوری دنیا میں خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کررہی ہیں۔ گھر ہو یا دفتر یا زندگی کا کوئی

اور شعبہ، خواتین ہر جگہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کررہی ہیں۔ دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اس وقت پاکستان میں خواتین کی تعداد تقریباً مردوں کے برابر ہے مگر خواتین کی اکثریت گھروں تک محدود ہے۔ ان کے لیے تعلیم وتربیت کے مواقع مردوں کی نسبت کم ہیں۔ اس لیے آبادی میں توازن قائم رکھنے کے لیے عورتوں کو تعلیم دینی ہوگی اور ان میں شعور پیدا کرنا ہوگا۔ خواتین کو زندگی کے ہر شعبہ میں مناسب نمائندگی دینا لازم ہے۔ ایک خاتون ایک خاندان کو تشکیل دیتی ہے اور اس طرح ایک خوشحال اور متمدن معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ پاکستان میں خواتین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ان کے مسائل پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔

شرحِ خواندگی

دنیا میں اس وقت عمومی طور پر اور ترقی پذیر ممالک میں خاص طور پر شرح خواندگی کو بڑھانے پر بہت زور دیا جارہا ہے۔ دنیا کے تناظر میں خواندگی کے فروغ پر اس لیے زور دیا جارہا ہے کہ ناخواندہ افراد کسی بھی معاشرے کے لیے ایک بوجھ ہوتے ہیں۔ ناخواندگی مختلف معاشرتی برائیوں اور مسائل کو جنم دیتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں پاکستان کو بڑی اہمیت حاصل ہے مگر بدقسمتی سے گذشتہ پچاس سالوں میں خواندگی کی شرح رفتار بہت سست رہی ہے۔ 1972ء میں پاکستان میں شرح خواندگی 21.7 فیصد تھی (مرد %30، خواتین %11)، 1981ء میں معمولی اضافے کے ساتھ یہ %26 فیصد (مرد %35، خواتین %16)، 1998ء کی مردم شماری کے مطابق خواندگی کی شرح %45 ہے (مرد %61، خواتین %36)۔

ایک اندازے کے مطابق خواندگی کی شرح 2008ء تک %62 تک ہوجائے گی (مرد %75، خواتین %50)۔ باقی دنیا کے پس منظر میں خواندگی کی یہ رفتار تسلی بخش نہیں۔ خاص طور پر خواتین میں خواندگی کا تناسب بہت ہی کم ہے اور اگر آبادی کے اضافے کو دیکھا جائے تو مستقبل میں خواندگی کا موجودہ تناسب انتہائی تشویش ناک ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خواندگی کے فروغ کے لیے جہاں ایک طرف آبادی کے اضافے کو قابو میں لایا جائے وہاں ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ خواندگی کے مراکز کا قیام عمل میں لایا جائے۔ لوگوں کو مختلف سہولیات پہنچا کر ان کے معیارِ زندگی کو بلند کیا جائے۔ صحت اور صفائی کے مسائل کو حل کیا جائے۔ خواندگی کو فروغ دینے کا ایک اہم ذریعہ وہ نجی ادارے اور تنظیمیں ہیں جو قومی سطح پر تعلیم اور سماجی خدمت کے عمل میں مصرورف ہیں۔ ان سماجی تنظیموں کے موجودہ ڈھانچے، ان کے مقاصد اور کارکردگی کو قانونی تحفظ دے کر باضابطہ بنانے اور زیادہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

نقل مکانی

اس وقت دنیا میں لوگوں کے اندر نقل مکانی کا رجحان بہت زیادہ فروغ پا رہا ہے۔ اس نقل مکانی کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے مابین لڑائیاں ہو رہی ہیں اور لوگ تحفظ کی خاطر قریبی یا دوسرے ممالک مین پناہ لینے کے لیے نقل مکانی کرتے ہیں۔ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے لوگ زندگی کی ضروریات کے حصول اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک کے افراد کے مابین شادی کرنے کا رجحان ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مختلف ادارے دنیا کے تمام ممالک میں آبادکاری کے کام میں مشغول ہیں۔ وہ ممالک کو بدامنی اور بدعنوانی کا شکار ہیں وہاں سے لوگ دوسرے ممالک میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

نقل مکانی کے لحاظ سے اس وقت پاکستان دنیا کے نقشے پر نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ افغانستان میں گزشتہ 23 برس سے بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ باہمی جنگوں اور افغانستان پر امریکہ کے حملے کی وجہ سے اس وقت تقریباً تین ملین افغان مہاجرین پاکستان ہجرت کر چکے ہیں۔ آبادی کا یہ انخلا ان ممالک کے لیے بھی باعث تشویش ہے جہاں نقل مکانی کرنے والے لوگ پناہ گزین ہیں۔ نقل مکانی کے اس رجحان اور دباؤ پر صرف اس وقت قابو پایا جاسکتا ہے جب بین الاقوامی طور پر امن قائم ہو اور پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے مسائل کو حل کیا جائے۔

اضافۂ آبادی کے اثرات

جیسے جیسے ہماری آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ویسے ہی ہماری سائنسی برادری میں یہ تشویش بڑھتی جا رہی ہے کہ کیا ہمارے پاس موجود قطعہ زمین، زراعت، جانور اور حیوانات اور پالتو مویشی اتنے بہت سے انسانوں کی کفالت کر سکیں گے۔ ہمارے ماحول پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہمیں خود سے کرتے رہنا چاہیے۔ ہمارے وسائل کتنے افراد یا نفوس کی کفالت کر سکتے ہیں؟ کسی کو بھی اس کا صحیح علم نہیں ہے لیکن سائنسدان یہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ صرف اتنے افراد کی کفالت کر سکتا ہے جن کی اس کے وسائل اجازت دیتے ہیں۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ 12 اکتوبر 1999ء کو عالمی آبادی نے چھ ارب کے ہندسے کو چھو لیا ہے۔ سائنسدانوں کے خیالات کے مطابق اگر ہماری آبادی اسی طرح بڑھتی رہی جس طرح اب بڑھ رہی ہے تو انسانوں کی تعداد 7.3 ارب سے 10.7 ارب تک پہنچ سکتی ہے۔ پھر وہی سوال ہے کہ ہم کتنے نفوس کی کفالت کر سکتے ہیں۔ اکثر لوگ اس کا یہ جواب دیں گے کہ ہمیں صرف اپنی غذائی پیداوار بڑھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم کتنی فصلیں اگا سکتے ہیں؟ اور اس کے لیے ہمیں اور زیادہ زمین کی ضرورت ہوگی جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ اپنی کاشتکاری کے عمل سے ہم ہر سال اپنی زرخیز زمینوں کے کئی

ایکڑ ضائع کر رہے ہیں۔ بڑے پیمانے پر کاشتکاری کے طریقوں سے زمین کی پیداواری صلاحیت ضائع ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ فصل کو پرورش نہیں کرسکتی۔ کھیت کی مٹی کی بالائی تہہ ہوا میں اڑ جاتی ہے۔ خود ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سالانہ 3.5 ایکڑ زمین فی کس ضائع ہو رہی ہے۔ اگر ہم کھیتوں کے لیے یا مویشی پالنے یا گلہ بانی کی زمینوں میں اضافہ کرتے ہیں تو ہماری جنگلی حیات کی زمین ہتھیا لیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں چھ ارب نفوس کی موجودگی اور مزید کی متوقع آمد کا تقاضہ یہ ہے کہ ہماری جغرافیائی حدیں مزید پھیل جائیں۔ ہمارے قدرتی وسائل بڑھ جائیں اور فضلات کو ٹھکانے لگانے کے جدید طریقے اختیار کئے جائیں ورنہ یہی فضلات پودوں اور جانوروں کی نسل کشی کی وجہ بن جائیں گے۔ اگرچہ کہ مستقبل بڑا مایوس کن (تاریک) نظر آتا ہے لیکن چند ادارے اور انجمنیں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے نبرد آزما ہیں۔ کئی انجمنیں ابھر کے سامنے آرہی ہیں جو ساری دنیا میں عوام کو اس مسئلے سے آگاہ کرنے میں مدد دینے اور تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ انجمنیں خواتین میں شعور اور آگاہی بیدار کرنے کا کام بھی کر رہی ہیں۔ وہ خصوصاً انھیں ان کی تخلیقی صلاحیت وصحت سے آگاہ کر رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان میں وہ شعور بیدار کر رہی ہیں جس سے وہ زیادہ بہتر فیصلے کرسکیں گی۔

اضافۂ آبادی کے انسانی وسائل پر اثرات

آبادی کے اعتبار سے پاکستان دنیا کا ساتواں بڑا ملک ہے۔ اندازہ ہے کہ اس وقت پاکستان کی آبادی 150 ملین ہے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کا زندگی کے ہر پہلو پر اثر پڑتا ہے۔ آبادی کے اس اضافے کا مندرجہ ذیل انسانی وسائل پر گہرا اثر پڑ رہا ہے۔

رہائشی مسائل

عالمی معیار کے مطابق رہائش کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک مکان یا ایک کمرے میں دو سے زیادہ افراد نہ رہتے ہوں۔ مکان میں غسلخانے، بیت الخلاء، باورچی خانہ، صاف پانی اور روشنی کی سہولت موجود ہو۔ صفائی اور گندے پانی کی نکاسی کے لیے معقول انتظام ہو۔ ان سہولیات کی بدولت مکان کا ماحول آلودگی سے پاک ہوگا مگر تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی رہائشی سہولیات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پاکستان میں 1/3 (ایک تہائی) کے لگ بھگ یعنی 35% آبادی مناسب تعمیر کئے ہوئے مکانوں میں رہتی ہے جبکہ بقیہ 65% دیہی آبادی خراب یا کچے مکانوں میں رہائش پذیر ہے۔

پاکستان میں چونکہ دیہی علاقوں میں مطلوبہ سہولیات میسر نہیں لہٰذا دیہی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہر وقت شہری علاقوں کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ آبادی کا یہ انتقال بغیر کسی منصوبہ بندی کے ہوتا ہے لہٰذا اس کی بدولت شہری علاقوں میں رہائش کے بے شمار مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان مسائل کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

1. ایک کمرے میں ایک فرد سے زیادہ لوگوں کی رہائش کے وجہ سے نشوونما، صحت اور انسانی رویے متاثر ہوتے ہیں۔
2. بنیادی سہولتیں کم ہوجاتی ہیں۔
3. ماحول کی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے۔
4. صفائی کی صورتحال ابتر ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے امراض کے پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے۔
5. زرخیز زرعی زمین رہائشی مقاصد کے لیے استعمال ہونے سے کاشتکاری متاثر ہوتی ہے۔
6. رہائشی مکانات کے لیے درکار سازوسامان کے لیے جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے جنگلات کا رقبہ کم ہوجاتا ہے۔
7. شہری علاقوں میں آبادی میں اضافے کی وجہ سے شہروں میں رہائش اور تعلیمی سہولتیں ضرورت کے مطابق مہیا نہیں ہوتی۔
8. اخلاقی مسائل اور جرائم میں اضافہ ہوتا ہے اور متعدد سماجی اور معاشی مسائل جنم لیتے ہیں۔
9. ذرائع آمدورفت میں اضافے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لہٰذا زیادہ گاڑیوں کی وجہ سے ماحول کی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان مسائل پر قابو پانے کا واحد حل یہ ہے کہ دیہی علاقوں سے آبادی کی منتقلی کو منظم طریقے سے روکا جائے۔ دیہی علاقوں میں تعلیم، روزگار، صحت، صفائی اور تفریحی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

آمدورفت کے مسائل

انسانی آبادی کا دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی طرف منتقلی بھی آج کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ سے شہری علاقوں میں لوگوں کی آمدورفت میں بے شمار مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ سڑک پر چلنے والی گاڑیوں مثلاً بسیں، موٹر کاریں، موٹر سائیکلیں اور باربرداری کے لیے استعمال ہونے والے ٹرکوں کی وجہ سے آمدورفت میں دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ سڑکوں پر ان گاڑیوں کے اژدھام کی وجہ سے سفر میں تاخیر ہوتی ہے۔ دھوئیں کی وجہ سے ماحول میں آلودگی پیدا ہوتی ہے۔

پاکستان میں چونکہ سڑکیں زیادہ کشادہ اور معیاری نہیں اس لیے ایک طرف فاصلے زیادہ وقت میں طے ہوتے ہیں تو دوسری طرف تیز رفتاری کے باعث حادثات کی شرح بڑھ گئی ہے۔ روزانہ کئی قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ ٹریفک کو قابو کرنے کے لیے انتظامات ناکافی ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ سڑکوں کو کشادہ کیا جائے۔ ٹریفک کے قوانین

کو سخت کیا جائے اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ لوگوں میں ٹریفک کا شعور (Traffic Sense) بیدار کرنے کے لیے تربیتی پروگرام شروع کئے جائیں۔

صحت وصفائی کے مسائل

انسانی زندگی میں صحت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ایک صحت مند انسان ہی ایک خوشحال اور صحت مند معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔ انسانی صحت کا انحصار متوازن غذا، صاف ستھرا ماحول، تعلیم اور مناسب طبی سہولتوں پر ہے۔ صحت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ فرد کو اچھی غذا، مناسب لباس، کھلی اور تازہ ہوا اور آلودگی سے پاک ماحول میسر ہو۔ اگر انسان کا دماغ اور جسم صحت مند ہو تو وہ کسی مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہیں ہوتا لیکن آبادی کے اضافے اور پھیلاؤ کی بدولت افراد کو زندگی کی بنیادی طبی سہولتیں یا تو میسر نہیں آتیں یا انتہائی ناقص سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ متوازن غذا نہ ملنے سے انسان بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی قوتِ کار کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گھر اور گھر کے گردونواح کا ماحول اگر آلودگی سے پاک ہوگا تو انسانی صحت پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکستان میں صحت اور صفائی کی صورت حال تسلی بخش نہیں۔ گھروں کے اطراف میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر ماحول کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ گلیوں اور سڑکوں کی صفائی کا باقاعدہ نظام نہیں۔ لوگوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ اس کے علاوہ گندے پانی کی نکاسی کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہیں۔ گردوغبار اور دھواں، صاف اور تازہ ہوا کے حصول میں رکاوٹ ہیں۔ صحت اور صفائی کا مؤثر نظام نہ ہونے کے سبب نوزائیدہ بچوں کی شرحِ اموات دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ لوگوں کی اوسط عمر بھی دنیا کے بیشتر ممالک کے مقابلے میں کم ہے۔ پاکستان میں صحت کے کم معیار کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(i) آبادی میں تیزی سے اضافہ
(ii) فی کس کم شرح آمدنی
(iii) پست شرحِ خواندگی
(iv) ماحول کی آلودگی میں اضافہ
(v) غیر متوازن غذا کا استعمال
(vi) پینے کا صاف پانی نہ ملنا
(vii) صفائی کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ رویہ

ماحول کے مسائل

پاکستان تیسری دنیا کا ایک اہم ملک ہے۔ یہاں آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ماحول کی

آلودگی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ماحول کا لفظی مطلب ہے اردگرد کی چیزیں اور آلودگی سے مراد ہوا، زمین، پانی اور ماحول میں ایسی غیر صحت مند تبدیلی کا ہونا ہے جس سے انسانی اور حیوانی زندگی پر برے اثرات پڑیں۔ اس تبدیلی کو ماحول کی آلودگی کہا جاتا ہے۔ ماحول کو خراب کرنے والے عناصر میں آبادی کا تیزی سے بڑھتا ہوا اضافہ اور شہروں کا پھیلاؤ ہے۔ شہری آبادی میں اضافے کی وجہ سے اردگرد کچی آبادیاں وجود میں آجاتی ہیں۔ ان کچی آبادیوں میں زندگی کی سہولتیں مثلاً سڑکیں، بجلی، پانی، گیس اور گندے پانی کی نکاسی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے گندگی پھیلتی ہے۔ شہری علاقوں میں صنعتوں کے قیام سے بھی گردوغبار اور دھوئیں میں اضافہ ہوتا ہے۔ بے شمار فیکٹریاں ماحول کو آلودہ کر کے انتہائی پیچیدہ بیماریوں کا باعث بن رہی ہیں۔ موٹر گاڑیوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ اور ان سے خارج ہونے والا دھواں فضا کو زہر آلود کر دیتا ہے۔ اسی طرح جگہ جگہ پھینکا جانے والے کوڑا کرکٹ اور گٹروں سے ابلتی ہوئی غلاظت بھی ماحول کو آلودہ کر رہی ہے۔

ماحول کی یہ آلودگی انسانی صحت پر انتہائی مضر اثرات مرتب کر رہی ہے۔ لہٰذا ماحول کو آلودگی سے پاک کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دھواں چھوڑنے والی گاڑیوں پر پابندی لگائی جائے۔ کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں کو ختم کیا جائے، صنعتی کارخانوں کا شہری حدود سے باہر منتقل کیا جائے اور شہر کے ماحول کو شوروغل سے محفوظ بنایا جائے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آبادی کا شہروں کی جانب انتقال پر قابو پایا جائے۔

آبادی اور تعلیم کے مسائل

تعلیم انسانی اقدار میں سب سے اہم قدر ہے۔ تعلیم کے بغیر کوئی بھی قوم خوشحال نہیں ہوسکتی۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد بنیادی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو، اس کے لیے انھوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ملکی آبادی کو ملکی وسائل کے تناسب سے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ ہر فرد کو

بنیادی تعلیم کا حق حاصل ہو سکے۔ لہٰذا ان ممالک نے آبادی کو مناسب منصوبہ بندی کے ذریعے قابو میں رکھا۔ دنیا کے وہ ممالک جہاں آبادی کا تناسب بہت زیادہ ہے وہاں بچوں کی تعلیم متاثر ہوتی ہے۔ پاکستان بھی دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جہاں ملکی آبادی اور ملک کے وسائل میں توازن نہیں ہے۔ فی کس آمدنی بہت کم ہے۔ خاندان کے افراد میں اضافے کے نتیجے میں معیارِ زندگی پست سے پست ہوجاتا ہے۔ چنانچہ والدین اپنے بچوں کو بنیادی تعلیم دلانے سے قاصر ہیں۔

تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ہاں خواندگی کا تناسب قیامِ پاکستان کے بعد پچپن سال گزرنے کے باوجود صرف 45% ہے۔ اس جہالت کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت زندگی کے مختلف مسائل کا شعور نہیں رکھتی۔ لاقانونیت، قتل و غارت، چوری اور سماجی برائیاں تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں۔ ہمارے تمام مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ تعلیم کو فروغ دے کر قوم کو خواندہ بنایا جائے اور شرحِ خواندگی میں اضافہ کیا جائے۔

انسانی اقدار

آبادی میں اضافے کے اسباب کا تعلق انسانی سماجی نظام اور اقدار سے بھی ہے۔ تیز رفتار اضافہ آبادی بے شمار معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کا موجب ہے۔ ہر ملک کا سماجی ڈھانچہ کچھ اخلاقی قدروں پر مبنی ہوتا ہے۔ ان قدروں کا تعین اس معاشرے کا مذہب، تاریخ، جغرافیہ اور اس کی طبعی حدود کرتی ہیں۔ اگر کسی ملک کی آبادی بے قابو ہوجائے تو یہ سماجی اور اخلاقی قدریں برباد ہوجاتی ہیں۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے، یہاں پر آبادی میں اضافہ کی وجہ سے ہماری اخلاقی اور انسانی قدریں تنزلی کا شکار ہیں۔ آبادی کے پھیلاؤ نے مشترکہ خاندانی نظام کے تصور کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ اس طرح بھائی چارے، اخوت، باہمی اتفاق اور تعاون جیسے جذبے کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کم عمری میں شادی کا رجحان، نرینہ اولاد کی خواہش اور مرد کی گھر میں بے جا حاکمیت کا تصور جہاں ایک طرف آبادی میں اضافے کا باعث ہے وہاں بہت سی اخلاقی اور سماجی قدروں کو تباہ کرنے کا بھی موجب ہوا ہے۔

آبادی میں تیز رفتار اضافے کی وجہ سے غیر اخلاقی رویے اور جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چوری، ذخیرہ اندوزی، رشوت ستانی، منشیات کی لعنت اور دوسری اخلاقی برائیاں اس لیے وجود میں آ رہی ہیں کیوں کہ موجودہ وسائل آبادی میں اضافے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ ان اخلاقی اور سماجی برائیوں کا سدباب کرنا ضروری ہے جس کے لیے تعلیم کو فروغ دینا انتہائی ضروری ہے۔ سماجی اور معاشرتی اصلاحی تنظیمیں اپنے اپنے علاقوں میں اصلاح احوال کے لیے کام کریں۔ جرائم کی بیخ کنی کی جائے اور سب سے بڑھ کر اسلام کے اخلاقی نظام کی ترویج و اشاعت کا کام زیادہ تیز کیا جائے۔

مشق

(الف)

1. دنیا میں تقسیم آبادی کا تناسب بیان کریں۔
2. دنیا میں گنجان آبادی والے علاقے کون کون سے ہیں؟ وضاحت کریں۔
3. پاکستان میں گنجان آبادی یا کم آبادی کے اسباب بیان کریں۔
4. خواندہ اور ناخواندہ کی اصطلاح کی وضاحت کریں۔
5. نقل مکانی سے کیا مراد ہے؟ اس کے اثرات بیان کریں۔
6. اضافۂ آبادی کے انسانی وسائل پر اثرات بیان کریں۔
7. آمدورفت کے مسائل پر نوٹ لکھیں۔
8. صحت و صفائی کے مسائل بیان کریں۔
9. اپنے اردگرد کے ماحول کے مسائل بیان کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل جملوں میں صحیح کے آگے (ص) اور غلط کے آگے (غ) لکھئے۔

(i) پاکستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک میں آبادی کا بہاؤ شہروں سے دیہات کی طرف ہے۔

(ii) خواتین کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے ہی ترقی ممکن ہے۔

(iii) خواندگی مختلف معاشرتی مسائل کو جنم دیتی ہے۔

(ج) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

(i) ناخواندہ افراد کسی بھی .... کے لیے بوجھ ہیں۔

(ii) ....کو زندگی کے ہر شعبے میں مناسب نمائندگی دینا لازمی ہے۔

(iii) ....انسانی اقدار میں سب سے اہم قدر ہے۔

(iv) ماحول کی آلودگی .... پر انتہائی مضر اثرات مرتب کر رہی ہے۔

سرگرمی

1. دنیا کے تقسیمِ آبادی کے نقشے میں ان علاقوں میں رنگ بھریئے جو بہت زیادہ گنجان آباد علاقے ہیں۔
2. ٹریفک کی آمدورفت سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں انھیں چارٹ کی مدد سے واضح کریں۔
3. اپنے اسکول میں ہفتہ صفائی منایئے تاکہ بچوں میں صفائی کا شعور اجاگر ہو۔

کسی پیغام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے یا اطلاعات کا تبادلہ کرنے کے لیے جو ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں وہ ذرائع ابلاغ کہلاتے ہیں۔ اس کی بہت سی اقسام اور طریقے ہیں۔ سب سے قدیم طریقہ وہ مختلف اشارے اور علامات ہیں جن کی مدد سے پیغام پہنچایا جاتا ہے۔ اسے تار برقی یا ٹیلی گرام کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اشارے اور پیغام سمعی اور بصری طریقوں سے بھی منتقل کئے جاتے ہیں۔ ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن اس کی مثالیں ہیں۔ مواصلاتی سیاروں، فیکس مشینوں اور کمپیوٹر کی بدولت یہ وسیع دنیا ایک عالمی گھر میں تبدیل ہوگئی ہے۔ آیئے ان میں سے چند اہم ذرائع ابلاغ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ٹیلی فون

عوام، تجارتی ادارے اور حکومتیں انفرادی طور پر دوری ابلاغ نظام (ٹیلی کمیونیکیشن سسٹم) کی مختلف اقسام یا طریقے استعمال کرتے ہیں۔ کچھ نظام مثلاً ٹیلی فون نظام مقام بہ مقام ابلاغ کے لیے کیبلز، تاروں اور سوئچنگ اسٹیشنوں کا ایک جامع نظام یا جال استعمال کرتے ہیں۔
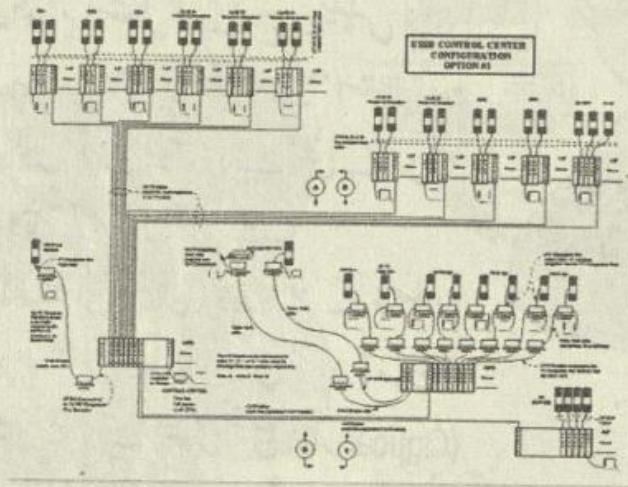
ٹیلی فون کمیونی کیشن

1876ء میں الیگزنڈر گراہم بیل نے ٹیلی فون ایجاد کیا۔ یہ ایسی مشین تھی جس نے انسانی آواز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا۔ یہ پیغام رسانی مواصلاتی سیاروں کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ اس کے ذریعے پیغام رسانی کا عمل بہت تیز ہوگیا ہے اور دور دراز علاقوں تک پیغام پہنچانا ممکن ہوگیا ہے۔

ٹیلی فون کا نظام بہت پائیدار اور قابلِ اعتماد ہے کیوں کہ اس میں اس کا اپنا تاروں کا نظام استعمال میں آتا ہے جس کو ٹیلی فون کمپنی پست وولاج کی راست برقی رو کی بجلی مہیا کرتی ہے۔ ٹیلی فون کا نظام آواز کے ابلاغ کو ان تاروں میں معتدل یا تصرف(Modulate) کرتا ہے۔ سوئچوں کا ایک پیچیدہ نظام بات کرنے والوں کے درمیان ٹیلی فون رابطہ بحال اور برقرار رکھتا ہے۔ ٹیلی فون نظام زمین پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیغام رسانی کے لیے مائیکرو ویو اسٹیشن کو بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسرے ملکوں اور سمندر پار ٹیلی فون کے پیغام کو ارسال کرنے کے لیے ٹیلی فون نظام مصنوعی سیارے استعمال کرتے ہیں۔

ٹیلی ٹائپ، ٹیلیکس اور فیکس پیغام رسانی (نشریات)

آواز کے بجائے صرف متن کو ارسال کرنے کے لیے جو ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں ان میں ٹیلی ٹائپ، ٹیلیکس اور فیکس نشریات شامل ہیں۔ متن کو پہنچانے کا نظام تار برقی (ٹیلی گراف) سے ابھرا ہے۔ ٹیلی ٹائپ اور ٹیلیکس کے نظام اگرچہ اب بھی مستعمل ہیں لیکن اب ان کی جگہ زیادہ تر فیکس مشینوں نے لے لی ہے جو کم خرچ ہیں اور موجودہ ٹیلی فون رابطوں اور جال میں ان کی کارکردگی زیادہ بہتر ہے۔ انٹرنیٹ اس سے بھی زیادہ ارزاں، کم خرچ اور آسان سہولت ہے۔ متن کو بنیادی طور سے ایک مقام سے دوسرے کئی مقامات تک ارسال کرنے کے لیے ٹیلی ٹائپ دراصل ایک چھاپہ خانہ تار برقی (ٹیلی گراف) ہے۔ تار برقی (ٹیلی گراف) میں استعمال ہونے والے اشاروں کی ٹیلی ٹائپ الفاظ اور اعداد میں بدل دیتا ہے اور انھیں پڑھے جانے کے قابل متن میں چھاپ دیتا ہے۔ اس کو عموماً خبر رساں ادارے اخباری بیانات (خبری کہانیاں یا اسٹوریز) اور اپنے گاہکوں کو حصص بازار کے اعداد و شمار مہیا کرنے کے مقصد کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ٹیلیکس بنیادی طور پر ایک نکتہ در نکتہ نظام ہے جس میں ایک ''کی بورڈ'' استعمال ہوتا ہے جو ٹائپ شدہ متن کو ٹیلی فون لائنوں کے ذریعے کمپنی کے اسی قسم کے دوسرے مقامات پر واقع دفاتر کو ارسال کرتا ہے۔

فیکس مشین

اب فیکس (یا صحیح الفاظ میں فیسی میل) دور دراز کے فاصلوں تک متن، تصاویر اور نقشوں کو ارسال کرنے کا ارزاں تر اور آسان تر ذریعہ مہیا کرتا ہے۔ فیکس مشین میں ایک بصری تقطیع نگار (Optical Scanner) لگا ہوتا ہے جو متن اور تصاویر کو ہندسی یا مشین سے پڑھے جانے کے قابل رموز و اشاروں میں بدل دیتا ہے۔ یہ رمز شدہ (Coded) اطلاع عام خطی ٹیلی فون لائن (Analog telephone lines) کے ذریعے ارسال کی جاتی ہے جس کو فیکس مشین میں نصب موڈیم کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسری جانب پیغام وصول کرنے والی فیکس مشین کا موڈیم ان اشاروں کو بدلتا ہے اور فیکس مشین میں ہی نصب پرنٹر کو پہنچا دیتا ہے۔

کمپیوٹر

آج کے ترقی یافتہ دور میں کمپیوٹر ابلاغ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس کو زمین اور خلا میں مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ کمپیوٹر منصوبہ بندی کرنے، آرٹ ورک اور ہر قسم کی صنعتی پیداوار میں مدد دیتے ہیں۔ اسپتالوں میں ڈاکٹر مریضوں کا تمام ریکارڈ کمپیوٹر میں محفوظ کرلیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر تشخیص میں بھی ڈاکٹروں کی مدد کرتے ہیں۔ سفر کے لیے نشستیں مخصوص کرنے کے لیے ہوائی کمپنیاں کمپیوٹر کا استعمال کرتی ہیں۔ کمپیوٹر کے ذریعے پروازوں کا شیڈول معلوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہوائی ٹریفک کو منضبط کرنے میں بھی مدد کرتا ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے پائلٹ کی رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔ یہ خلا میں بھی وسیع پیمانے پر استعمال ہوتے ہیں۔ سیاروں کو خلاء میں روانہ کرنے اور پھر مقاصد حاصل کرنے کے لیے پورے نظام کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ بہت سے فیصلے فوری اور بروقت کرنے پڑتے ہیں جو صرف کمپیوٹر کے ذریعے ہی ممکن ہیں۔

ذاتی کمپیوٹر ٹیلی کمیونیکیشن کو استعمال کرتے ہیں تاکہ سمعی، بصری، متن، سوفٹ وئیر اور ملٹی میڈیا خدمات پہنچانے کے لیے نشریاتی رابطہ مہیا کرسکیں۔ آج کل ان سمعی، بصری اور ٹیکسٹ کی خدمات انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے ٹیلیفونی رابطوں کے ذریعے بہم پہنچائی جارہی ہیں۔
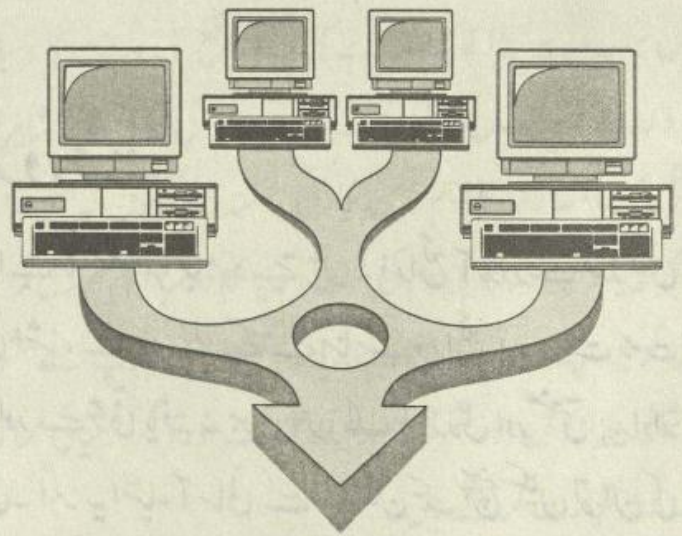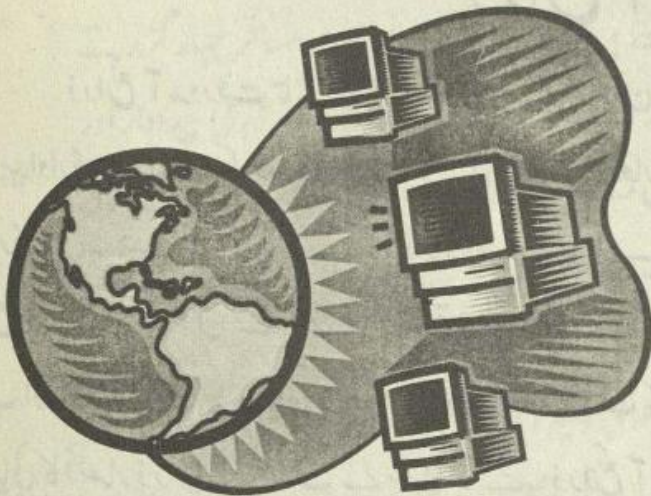
کمپیوٹر کمیونیکیشن

برقیاتی خطوط رسانی یا ای میل انٹرنیٹ کی خصوصی کشش ہے۔ اور کمپیوٹر کو بطور ذریعہ ابلاغ استعمال کرنے کی سب سے عام شکل ہے۔ ای میل متن یا دستاویزات پہنچانے کا نظام ہے جس کی بدولت ٹائپ شدہ پیغامات اور ملٹی میڈیا کی اطلاعات کمپیوٹر استعمال کرنے والے دیگر افراد کو پہنچائی جاسکتی ہیں۔ (کسی ایک ہی عمارت یا کمپنی میں) مقامی طور سے ای

میل پیغامات تاروں کی بنیاد پر قائم اندرونی نظام کے ذریعے ارسال کئے جاسکتے ہیں۔ مختلف شہروں یا ملک کے دیگر حصوں میں اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے ای میل پیغامات کو ٹیلی فونی نظام سے گزرنا ہوتا ہے۔ تجارتی ادارے کمپیوٹر کے ذریعے پیغام رسانی کے جو دیگر ذرائع اور فنیت (ٹیکنالوجی) استعمال کرتے ہیں ان میں خودکار بینکاری ٹرمینل اور کریڈٹ کارڈ کے ذریعے لین دین کے طریقے شامل ہیں۔ ان کی قیمت خریدار کے اپنے بینک اکاؤنٹ سے براہِ راست وصول کرلی جاتی ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن

1885ء میں مارکونی نے ریڈیو ایجاد کیا۔ اس نے ایک ایسا نظام تیار کیا جس کی مدد سے برقی لہریں بغیر تاروں کے ہوا میں بھیجی جاسکتی تھیں۔ یہ مظہر ریڈیو کو ایجاد کرنے کا باعث ہوا۔ ریڈیو کو عام طور سے عوامی رابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس میں کسی ٹرانسمیٹر سے تفریحی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ اس کے حلقے میں موجود کوئی بھی شخص جس کے پاس ریڈیو موجود ہے ان کو سن سکتا ہے اسی لیے اس نکتہ در نکات ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ تاہم ریڈیو کو نجی نکتہ در نکتہ نشریات کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دوطرفہ ریڈیو، بے تار ٹیلیفون (کارڈلیس ٹیلی فون) اور سیلولر ریڈیو ٹیلی فون (موبائل ٹیلی فون) وغیرہ ٹرانسیور کی مثالیں ہیں۔ یعنی یہ وہ آلات ہیں جو نکتہ در نکتہ پیغامات نشر اور ارسال بھی کرسکتے ہیں اور وصول بھی کرسکتے ہیں۔

ذرائع آمدورفت

ذرائع آمدورفت تاجروں اور صارفین کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ ذرائع آمدورفت منڈیوں اور پیداواری مقامات کے درمیانی فاصلے کو کم کرتے ہیں۔ تجارتی اشیاء کے تبادلے کے لیے مناسب ذرائع آمدورفت بہت ضروری ہیں۔ جب تک کسی ملک کے ذرائع آمدورفت پورے طور سے ترقی یافتہ نہ ہوں اس ملک کی زرعی اور صنعتی پیداوار ضائع ہوجاتی ہیں۔ اس کے بغیر معاشی یا تجارتی ترقی ممکن نہیں۔ اگر یہ اشیاء آسانی سے صارفین تک پہنچ سکیں تو ان کی طلب اور قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ پیداوار کو صارف تک پہنچانا ذرائع آمدورفت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے تجارت کی کامیابی کا انحصار ذرائع آمدورفت کے معیار پر ہے۔ ذرائع آمدورفت تین طرح کے ہوتے ہیں۔ برّی، بحری اور فضائی۔

برّی ذرائع آمدورفت

برّی ذرائع آمدورفت میں سڑکوں اور ریلوں کا نظام شامل ہے۔ دنیا کے زیادہ تر حصوں میں پسماندہ قسم کے

ذرائع آمدورفت ہیں جبکہ کہیں جدید طرز کے ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں سڑکوں اور ریلوے کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔ یہاں شہروں اور دیہاتوں میں سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں کشادہ سڑکیں ہیں جنھیں ہائی وے یا موٹروے کہتے ہیں۔ انھیں خاص طور پر تیز رفتار اور بھاری ٹریفک کے لیے بنایا گیا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں اس قسم کی سڑکیں کم ہیں جو اہم شہروں کو ملاتی ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک میں ریل سب سے اہم اور سستا ذریعہ آمدورفت ہے۔ جاپان، امریکہ، کینیڈا، روس اور آسٹریلیا میں ریلوے کا بہترین نظام موجود ہے۔ ان ممالک میں ریل کو زیادہ تر بھاری سامان مثلاً خام مال، غلّہ، کوئلہ، صنعتی اشیاء اور عمارتی لکڑی کو دور دراز علاقوں تک پہنچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مسافروں کی آمدورفت کے لیے بھی یہ سہولت دستیاب ہے۔ تقریباً سارے یورپی ممالک ریلوے لائنوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ جاپان کا ریلوے نظام بہت مشہور ہے۔ ایشیا کے ممالک پاکستان، بھارت، انڈونیشیا، ملائیشیا، تھائی لینڈ اور سنگاپور میں بھی ریلوے کی پٹریوں کا جال بچھا ہوا ہے۔

بحری ذرائع آمدورفت

کرۂ ارض کے دو تہائی حصے پر پانی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کے بہت سے فائدے ہیں جن میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ ذرائع آمدورفت کا وسیلہ ہے۔ کیوں کہ دنیا کے اکثر ممالک سمندروں اور بحروں کے ذریعے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ دنیا کی بڑی آبی شاہراہوں میں سمندر، دریا، نہریں اور جھیلیں شامل ہیں۔ شمالی بحرالکاہل کا راستہ دنیا کا اہم ترین تجارتی راستہ ہے کیوں کہ اس راستے پر سب سے زیادہ مال بردار مسافر جہاز گزرتے ہیں۔ جبکہ بحراوقیانوس اور بحیرۂ روم کی شاہراہ دنیا کا دوسرا اہم تجارتی راستہ ہے۔ اس راستے سے معدنی اور زرعی پیداوار اور عمارتی لکڑی کو یورپ لے جایا جاتا ہے۔ اور صنعتی اشیاء یورپ سے مشرق میں واقع ممالک آتی ہیں۔ تیسرے بڑے بحری راستے میں شمالی بحرالکاہل اور مشرق بعید کے ممالک اور دیگر ایشیائی ممالک کے درمیان تجارتی گزرگاہ ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے تجارت کرتے ہیں۔

اس طرح زمانہ قدیم سے دریاؤں کے ذریعے تجارت اور باربرداری وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں دریاؤں کے ذریعے جہازرانی ہوتی ہے اور اندرون ملک تجارت وغیرہ کا کام زیادہ تر دریاؤں کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ دنیا کے اہم دریاؤں میں جن کے ذریعے داخلی تجارت وغیرہ کا عمل انجام پاتا ہے برطانیہ کے دریائے ٹیمز، جرمنی کے دریائے ڈینیوب اور روس کے دریائے والگا وغیرہ شامل ہیں۔ کینیڈا کے دریا سینٹ لارنس کو نہر کے ذریعے بڑی جھیلوں سے ملایا گیا ہے اور ان جھیلوں سے براہِ راست بحرالکاہل کی طرف جہاز آسکتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں

دریائے میسس پی بھی جہاز رانی کے قابل ہے۔ چین کے دریا چنگ زایانگ سے بھی جہاز رانی کی جاتی ہے۔

نہر پانامہ وسطی امریکہ کے ملک پانامہ میں تعمیر کی گئی۔ یہ دوسمندروں بحراوقیانوس اور بحرالکاہل کو ملاتی ہے۔ اس نہر کی تعمیر سے سب سے زیادہ فائدہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا اور دیگر ممالک کو ہوا ہے۔

فضائی ذرائع آمدورفت

فضائی ذرائع آمدورفت نے وسیع و عریض دنیا کو ایک عالمگیر بستی میں تبدیل کردیا ہے۔ دور دراز علاقوں میں آباد لوگ کم وقت میں بڑے بڑے فاصلے طے کرسکتے ہیں۔ اگرچہ فضائی ذرائع آمدورفت بہت مہنگے ہیں لیکن کاروباری لوگ اور دور دراز کا سفر کرنے والے مسافروں نے پوری دنیا میں اس کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کیا ہے۔

جناح ٹرمینل

اہم فضائی راستوں میں مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں۔ امریکہ میں قومی اور بین الاقوامی بہت سے فضائی راستے ہیں۔ مشرقی ساحل پر نیویارک سب سے بڑا ہوائی اڈہ ہے۔ یورپی ممالک کے تقریباً تمام دارالحکومت اہم فضائی راستوں کے مراکز ہیں۔ یورپ سے کئی فضائی راستے مغربی افریقہ جاتے ہیں۔ کئی فضائی راستے شمالی افریقہ کے ممالک کو ملاتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں دوبئی، کویت اور بحرین کے اہم فضائی راستے امریکہ کو براہِ راست مشرق بعید کے ممالک سے ملاتے ہیں۔ آسٹریلیا بھی فضائی آمدورفت کے اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں سے مقامی اور بین الاقوامی پروازیں جاتی ہیں۔ سڈنی بھی بہت اہم فضائی مرکز ہے۔ اس طرح جنوبی ایشیا میں پاکستان اور بھارت کے فضائی ذرائع آمدورفت بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

دنیا کے دوسرے ممالک سے پاکستان کی تجارت

درآمد و برآمد

دنیا کا کوئی ملک خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو اپنی ساری ضروریات کے لیے خود کفیل نہیں ہوسکتا۔ ہر ملک کو

بہت سی چیزیں دوسرے ملکوں سے خریدنی پڑتی ہیں اور اپنی بہت سی اشیاء ان ممالک کو فروخت کرنا پڑتی ہیں۔ یہ عمل اندرون ملک بھی ہوتا ہے اور بیرون ملک بھی۔ اس خرید و فروخت یا تبادلۂ اشیاء کو تجارت کہتے ہیں۔ جو تجارت ملک کے اندر مختلف علاقوں کے درمیان ہوتی ہے وہ داخلی یا ملکی تجارت کہلاتی ہے اور جو تجارت دو ملکوں کے درمیان ہوتی ہے اسے بین الاقوامی یا بیرونی تجارت کہتے ہیں۔ تجارت کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک خرید اور دوسرا فروخت۔ وہ اشیاء جو دوسرے ممالک کو فروخت کی جاتی ہیں اور بیرون ملک بھیجی جاتی ہیں انھیں اشیائے برآمد کہتے ہیں اور اس تجارت کو برآمدی تجارت کہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو اشیاء کسی دوسرے ملک سے خریدی جاتی ہیں اور اندرون ملک منگوائی جاتی ہیں وہ اشیائے درآمد کہلاتی ہیں اور ان اشیاء کے لین دین کو درآمدی کہتے ہیں۔ اس طرح ہر ملک میں تجارت کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک برآمدات اور دوسری درآمدات۔ عام طور پر اشیائے تجارت کی قیمت نقد ادا کی جاتی ہے۔ مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک قسم کے مال کے بدلے دوسری قسم کا مال لیا جاتا ہے۔ اس قسم کی تجارت کو جنس کے بدلے جنس (یا مال کے بدلے مال) اور انگریزی میں بارٹر (Barter) کہا جاتا ہے۔

زرمبادلہ

اشیائے خرید و فروخت عام طور پر نقد خریدی جاتی ہیں۔ چونکہ ہر ملک کے سکے الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے کسی ایک باہمی طے شدہ یا متفقہ سکے یا زر کی شکل میں ان اشیاء کی قیمت کا لین دینا ہوتا ہے۔ پاکستان میں تجارت زیادہ تر امریکی ڈالر، برطانوی پونڈ یا یورو یورپ یونین میں کی جاتی ہے۔ بیرونی تجارت سے جو رقم حاصل ہوتی ہے اسے زرمبادلہ کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی ملک اپنی پوری ضرورت کا سامان یا کوئی خاص چیز خود تیار کرلے تو اس ملک کو اس شے یا اشیاء میں خود کفیل کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر پاکستان اپنی ضروریات کے مطابق گندم خود پیدا کرلے تو پاکستان گندم میں خود کفیل کہا جائے گا۔ اگر کسی ملک میں ضرورت سے کم اشیاء پیدا ہوں یا تیار ہوں تو ان اشیاء میں وہ ملک کمی کا علاقہ کہلاتا ہے اور اگر ضرورت سے زیادہ پیدا کرتا ہے تو اس شے میں فاضل کہلاتا ہے۔

ذرائع نقل و حمل و تجارتی راستے

تجارتی اشیاء کے تبادلے کے لیے اچھے ذرائع نقل و حمل کا دستیاب ہونا ضروری ہے۔ جب تک ذرائع نقل و حمل بہتر نہ ہوں، کسی ملک کی زرعی اور صنعتی پیداوار معاشی یا تجارتی نقطہ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر یہ اشیاء آسانی سے صارفین تک پہنچ سکیں تو ان کی افادیت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ جائے پیداوار سے جائے تبادلہ تک اشیاء کا پہنچانا ذرائع نقل و حمل کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے تجارت کی کامیابی کا انحصار ذرائع نقل و حمل کے عمدہ اور بہتر ہونے پر ہے۔ اشیاء کی

نقل وحمل کے ذرائع تین طرح کے ہیں۔ بری، بحری اور فضائی۔

پاکستان کے بری راستے

پرانے زمانے کی نسبت آج کے زمینی ذرائع نقل وحمل بہت بہتر ہیں۔ کئی عمدہ قسم کی سڑکیں ہیں جن پر مختلف قسم کی گاڑیاں آسانی سے چلتی ہیں۔ ریل کی پٹریاں بچھی ہیں اور اس طرح اندرونی اور بیرونی تجارت کے لیے مال مناسب جگہوں پر تیزی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اندرونی تجارت کے لیے پاکستان میں بلوچستان اور سرحد کے پتھریلے اور سنگلاخ علاقے چھوڑ کر تمام ملک میں سڑکوں اور ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ پڑوسی ملک بھارت، افغانستان اور ایران سے بھی بری راستے سے تجارت ہوتی ہے۔ اقتصادی تعاون کی تنظیم کے معاہدے کے تحت کراچی سے ایران ہوتے ہوئے ترکی تک شاہراہ کی تعمیر کا منصوبہ مکمل ہوچکا ہے۔ پاکستان کی تجارت کا دوسرا بری راستہ شاہراہِ قراقرم ہے جو عوامی جمہوریہ چین کو پاکستان سے ملاتی ہے۔

بحری راستے

پاکستان کی زیادہ تر بیرونی تجارت بحری راستے سے ہوتی ہے جس کے لیے زیادہ تر پاکستان کی بندرگاہ کراچی استعمال کی جاتی ہے۔ پاکستان سے مشرقی ممالک کے لیے تجارتی سامان بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش، ملائیشیا، انڈونیشیا، چین اور جاپان کو جاتا ہے۔ دوسرا راستہ خلیج فارس اور نہر سوئیز سے ہوکر مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ اور یورپ کے ممالک کو جاتا ہے۔ یہی راستہ بحرالکاہل کے ذریعہ امریکہ تک جاتا ہے۔ کراچی کے قریب ایک نئی بندرگاہ بن قاسم کا کام بھی مکمل ہوگیا ہے۔ بلوچستان کے ساحل پر گوادر کے مقام پر ایک بڑی بندرگاہ بنانے کا آغاز ہوچکا ہے۔ اس سے پاکستان کی بحری تجارت میں بھی بہت اضافہ ہوگا۔

فضائی راستے

بری اور بحری راستوں کے علاوہ پاکستان سے سامان ہوائی جہازوں کے ذریعے بھی باہر بھیجا جاتا ہے۔

پاکستان کے تجارتی تعلقات دنیا کے بیشتر ممالک سے ہیں۔ مسلم ممالک کے علاوہ یورپ کے ممالک، چین، جاپان اور امریکہ سے وسیع پیمانے پر تجارتی لین دین ہوتا ہے۔ بھارت، سری لنکا، سنگاپور، ہانگ کانگ اور آسٹریلیا سے بھی ہمارے تجارتی تعلقات ہیں۔

ادارۂ ترقی برآمدات

حکومت نے پاکستان میں پیدا ہونے والی اشیاء کی برآمدات کو ترقی دینے کے لیے کئی ادارے قائم کیے ہیں۔

ایکسپورٹ پروموشن بیورو (ادارہ ترقی برآمدات) ان میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ ادارہ تاجروں کے مسائل حل کرنے میں مدد دیتا ہے اور ان کو مختلف ممالک کے لیے برآمدات بڑھانے کے طریقے بتاتا ہے۔ یہ ادارہ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کو تجارت بڑھانے کے سلسلے میں ضروری تجاویز پیش کرتا ہے۔ مختلف ممالک کو تجارتی وفد بھیجتا ہے تاکہ وہاں پاکستانی چیزوں مثلاً چاول، کپاس، سوتی کپڑے، مچھلی اور پھل وغیرہ کی طلب و کھپت کا اندازہ لگا سکیں۔ پاکستان کی تجارت کو ترقی دینے کے لیے بین الاقوامی تجارتی میلوں اور نمائشوں میں پاکستان کی شرکت کا انتظام کرتا ہے۔ پاکستان کی اہم برآمدات چاول، کپاس، سوتی دھاگا، کپڑا، کھالیں، کھیلوں کا سامان، آلاتِ جراحی، مچھلی، جھینگا، پھل اور قالین وغیرہ ہیں۔

اشیائے خوراک

اشیائے خوراک میں سب سے زیادہ چاول برآمد کیا جاتا ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان میں بہترین قسم کا چاول پیدا ہوتا ہے اور دنیا کے مختلف ممالک میں اس کی بہت مانگ اور طلب ہے۔ چاول خاص طور پر سعودی عرب، الجیریا، ایران، کویت، دوبئی، ابوظہبی، قطر، یمن، سری لنکا، سنگاپور، انڈونیشیا، برطانیہ، کینیڈا، اٹلی اور جرمنی بھیجا جاتا ہے۔1998-99ء کے دوران 4700 ہزار (407 ملین) میٹرک ٹن چاول پیدا ہوا تھا۔ اپنی ضرویات سے زائد چاول کی برآمد سے پاکستان نے تقریباً بیس ملین (بیس ارب) روپے کا زرِمبادلہ کمایا۔ مچھلی اور جھینگے بہت بڑی مقدار میں پاکستان کے ساحلی علاقوں میں پکڑے جاتے ہیں اور ان کو خشک کرکے یا ڈبوں میں بند کرکے بیرونِ ملک بھیجا جاتا ہے۔ مچھلی اور جھینگے خاص طور پر جرمنی، امریکہ، جاپان، فرانس، سری لنکا، سعودی عرب، اردن اور افریقہ کے چند ممالک کو بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایران، برطانیہ اور یورپ کے چند دوسرے ممالک کو بھی مچھلی اور جھینگے بھیجے جاتے ہیں۔ خشک پھل اٹلی، برطانیہ، امریکہ، عرب ممالک، سری لنکا اور ملائیشیا کو برآمد کئے جاتے ہیں۔

کپاس اور سوتی اشیاء

پاکستان کی سب سے بڑی برآمد کپاس ہے۔ کپاس سے سوت، دھاگا، اعلیٰ قسم کا کپڑا، بنیان، موزے اور تولیے بھی تیار کئے جاتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں پاکستان کی کپاس اور سوتی کپڑے کی بڑی مانگ ہے۔ امریکہ، جرمنی، اٹلی، فرانس، چین، جاپان، آسٹریلیا، پولینڈ، کینیڈا، سعودی عرب، عراق، مراکش، نائیجیریا، سری لنکا، بھارت اور بنگلہ دیش پاکستانی کپاس درآمد کرتے ہیں۔1998-99 میں پاکستان میں کپاس کی پیداوار 8800 ہزار (8.8 ملین) گانٹھیں تھیں۔

پاکستان کا سوت اور دھاگا بھی دنیا کے مختلف ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ دنیا کے چھوٹے بڑے تقریباً پچاس ممالک

کو اس کی برآمد ہوتی ہے جن میں نمایاں ممالک میں جاپان، اٹلی، جرمنی، برطانیہ، فرانس، چین، امریکہ، ایران، عراق، شام، انڈونیشیا اور سری لنکا شامل ہیں۔ ان کے علاوہ عرب ممالک اور افریقہ کے بہت سے ممالک کو بھی سوت اور دھاگا برآمد کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں تیار ہونے والا کپڑا بھی دنیا کے مختلف ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کے اکثر ممالک، سری لنکا، اور ملائیشیا کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اٹلی، جرمنی، فرانس اور برطانیہ کو بھی پاکستانی کپڑا برآمد کیا جاتا ہے۔

کھالیں اور چمڑے سے بنا ہوا سامان

پاکستان کھالیں بھی بڑی تعداد میں برآمد کرتا ہے۔ اس کے خاص خریدار فرانس، جرمنی، جاپان، لیبیا اور ترکی ہیں۔ عراق، ایران، عرب ریاستوں اور برطانیہ کو بھی کھالیں بھیجی جاتی ہیں۔ چمڑے سے بنا ہوا سامان اٹلی، فرانس، ترکی، سپین، برطانیہ، جرمنی، سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کو بھیجا جاتا ہے۔

بجلی کا سامان

پاکستانی کارخانوں میں بجلی کا سامان بھی تیار ہوتا ہے۔ جس میں گھریلو استعمال کی تمام اشیاء پنکھے، استری، بلب، ٹیوب لائٹ، ہیٹر، کولر وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سامان ایران، عراق، سعودی عرب، دیگر خلیجی ریاستوں، سری لنکا اور ملائیشیا کو برآمد کیا جاتا ہے۔

پاکستان چینی بنانے کی صنعت میں استعمال ہونے والی بھاری مشینیں، جوتے، قالین، دستکاری کا سامان، پلاسٹک کی بنی ہوئی اشیاء، کھلونے، شیشے اور ربڑ سے بنا ہوا سامان بھی برآمد کرتا ہے۔ دوسرے ممالک کے علاوہ افریقہ کے مسلم ممالک ماریطانیہ، نائیجیریا، تنزانیہ، کیمرون، الجیریا، مالاوی، سیرالیون وغیرہ کو یہ سامان بھیجا جاتا ہے۔

درآمدات

درآمدی چیزوں میں وہی اشیاء منگوائی جاتی ہیں جو پاکستان نہ بنتی ہوں یا پاکستان میں صنعت کاری کے لیے ضروری ہوں۔ حکومت سال بھر کے لیے اپنی درآمدی پالیسی کا اعلان کرتی ہے جس میں ان اشیاء کی فہرست شامل ہوتی ہے جو پاکستان میں درآمد کی جاسکتی ہیں۔ عموماً غیر ضروری اشیاء کی درآمد کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

درآمدات کی قیمت کی ادائیگی دو طرح سے ہوتی ہے۔ عام طور پر نقد رقم ادا کر کے ضروری سامان درآمد کیا جاتا ہے۔ یہ ادائیگی اس زرِ مبادلہ سے کی جاتی ہے جو پاکستان اپنی برآمدات سے کماتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ روپیہ

استعمال کیا جاتا ہے جو بعض ممالک پاکستان کو قرض کے طور پر دیتے ہیں۔ قرض دینے والے بعض ممالک یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ جو رقم انھیں قرض دی ہے اس کے بدلے سامان ان ممالک ہی سے خریدا جائے۔ بعض ممالک کے ساتھ مال کے بدلے مال کے اصولوں پر بھی تجارت کی جاتی ہے۔

پاکستان کی اہم درآمدات میں مشینری، تیل و پیٹرولیم، چائے اور خام خوردنی تیل سرفہرست ہیں۔ مزید صنعتی ترقی کے لیے پاکستان کو ہر قسم کی بھاری مشینری کی ضرورت ہے۔ ٹیکسلا میں پاکستان نے بھاری مشینیں بنانے کا ایک بڑا کارخانہ قائم کیا ہے لیکن پھر بھی ملک کو سینکڑوں قسم کی مشینری درکار ہوتی ہے۔ ریل اور ٹرکوں کے انجن اور فاضل پرزے، بجلی بنانے کی مشینری، مختلف قسم کے کارخانوں، زرعی فارموں، دفاتر اور بینکوں میں استعمال ہونے والی مشینیں، ٹیلی ویژن اور اسی قسم کی مشینری درآمد کی جاتی ہیں۔ موٹر کاریں زیادہ تر جاپان سے درآمد ہوتی ہیں۔ ٹیلی ویژن جاپان، ہالینڈ اور دوسرے ممالک سے برآمد ہوتے ہیں۔ دوسری مشینیں، ٹریکٹر اور انجن وغیرہ امریکہ، کینیڈا، جرمنی، فرانس، برطانیہ، چین، جاپان، اٹلی، روس اور کوریا سے منگوائے جاتے ہیں۔

تیل اور پیٹرولیم

تیل اور پیٹرولیم آج کل کے دور کی بنیاد اور اہم ضرورت ہے۔ پاکستان اپنی ضرورت کے لیے تیل، ڈیزل آئل اور پیٹرول سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، ایران اور عراق سے درآمد کرتا ہے۔ پاکستان میں تیل کی تلاش کا کام تیز کیا گیا ہے۔ اگرچہ حال ہی میں تیل کے بڑے اچھے ذخائر دریافت ہوئے ہیں لیکن فی الحال ان کو استعمال میں لانے کے لیے کافی کام کرنا ہے۔ دسمبر 1999ء تک پاکستان میں تیل کی پیداوار 10250 ہزار (10.25 ملین) بیرل سالانہ تھی۔

توانائی کی اہمیت

آج کے دور میں کسی بھی ملک کی ترقی کا دارومدار توانائی کے حصول اور اس کے سود مند استعمال پر ہے۔ توانائی حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ سورج، آگ، ایندھن، ہوا اور بہتے ہوئے پانی کی توانائیوں سے کام تو شروع سے ہی لیا جاتا رہا ہے مگر اب قدرتی گیس، کوئلہ، پیٹرولیم کی مصنوعات، بایو گیس، بحری مدوجزر، زمین کی حرارت اور نیوکلیائی ذرائع سے بھی توانائی حاصل کی جاتی ہے تاکہ ترقی کی منزلیں باآسانی تیز رفتاری سے طے ہو جائیں۔ لیکن توانائی کے مسلسل استعمال سے اس کے روایتی ذرائع کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس وجہ سے آنے والے دور میں نئے وسائل تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں توانائی کے استعمال کے ایسے طریقے سوچنا ہوں گے تاکہ موجودہ معیارِ زندگی بھی برقرار رہ سکے۔

توانائی کی بچت کا سب سے زریں اصول بے مصرف سے اجتناب ہے۔ توانائی کے ضیاع کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات نہایت اہم ہیں۔

(i) توانائی کا سودمند کاموں میں زیادہ اور غیر سودمند کاموں میں اجتناب کو یقینی بنانا۔

(ii) تمام عمارتوں، کارخانوں اور پلازوں کے نقشے بناتے وقت توانائی کی بچت کے جدید اصولوں کو مدنظر رکھنا۔

(iii) کم توانائی خرچ کرنے والے آلات کا استعمال یقینی بنانا۔

مختصر یہ کہ توانائی کے جو ذرائع دستیاب ہیں ان کو بہتر طریقے سے استعمال کیا جائے تو جو توانائی آپ بچائیں گے وہ یقیناً ملک وقوم کے کسی بہتر کام میں استعمال ہوگی۔

لوہا اور فولاد

خام لوہا کانوں سے نکالا جاتا ہے۔ اسے صاف کرکے اور اس میں کچھ اور دھاتیں ملا کر فولاد بنایا جاتا ہے۔ لوہے سے بنی ہوئی اشیاء کے مقابلے میں فولادی اشیاء مضبوط، پائیدار اور کارکردگی میں بہت بہتر ہوتی ہیں۔ کارخانوں، بجلی گھروں اور مختلف قسم کی گاڑیوں وغیرہ کی مشینیں زیادہ تر فولاد ہی سے بنائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوہے اور فولاد سازی کے وسائل رکھنے والے ممالک صنعتی طور پر بہت ترقی یافتہ ہیں۔

پاکستان میں معیاری لوہے کی کمی کی وجہ سے فولاد سازی کی صنعت بھی قائم نہیں ہوسکی تھی۔ اہم صنعتوں اور بجلی گھروں کے لیے مشینیں اور جنریٹرز وغیرہ جرمنی، بیلجیم، فرانس، برطانیہ، اٹلی، جاپان، چین اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے درآمد کی جاتی ہیں۔

پاکستان میں فولاد سازی کا بہت بڑا کارخانہ روس کی مدد سے کراچی میں قائم ہوا۔ اس میں استعمال کے لیے خام لوہا زیادہ تر آسٹریلیا سے درآمد کیا جاتا ہے۔ اس کارخانے کے قیام سے پاکستان کی فولاد کی ضروریات کافی حد تک پوری ہونے لگی ہیں۔ فولاد سے مختلف کارخانوں اور بجلی گھروں کے لیے جدید بھاری مشینیں، جنریٹرز اور ٹرانسفارمرز وغیرہ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے ٹیکسلا اور کوٹ نجیب اللہ (ہری پور) میں قائم ہیں۔ فولاد کی دستیابی کی بدولت ہمارے ملک کے اندر بحری جہاز، دفاعی ساز و سامان، موٹر کاریں اور ریلوے انجن بنانے کے کارخانوں کے علاوہ کئی اور صنعتیں بھی لگائی جارہی ہیں۔

مندرجہ بالا درآمدات کے علاوہ چائے، خشک دودھ، اعلیٰ قسم کا کاغذ، بعض ادویات، ٹیلی ویژن سیٹ، ٹرانسسٹر، ریفریجریٹرز، کمپیوٹرز، گھڑیاں، کیمرے اور ان کی فلم، اسپتالوں میں استعمال کے لیے مختلف مشینیں اور دفاعی افواج کے لیے ہتھیار وغیرہ بھی پاکستان میں درآمد کئے جاتے ہیں۔

مشق

(الف)

1. ذرائع آمدورفت کون کون سے ہیں؟ مختصر بیان کیجئے۔
2. ذرائع ابلاغ سے کیا مراد ہے؟ اہم ذرائع ابلاغ کون کون سے ہیں؟
3. درآمدات اور برآمدات سے کیا مراد ہے؟
4. پاکستان میں تجارت کے لیے کون کون سے اہم بری اور بحری راستے استعمال کئے جاتے ہیں؟
5. پاکستان کی خاص خاص برآمدات کیا ہیں؟
6. مشرقِ وسطیٰ کے کون کون سے ممالک کو کپاس اور اس کی مصنوعات برآمد کی جاتی ہیں؟
7. پاکستان کی اہم درآمدات کیا ہیں؟
8. ذرائع آمدورفت اور ذرائع ابلاغ تجارت کے فروغ میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟ واضح کیجئے۔

(ب) مناسب الفاظ سے خالی جگہیں پر کیجئے۔

(i) اشیاء کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے جو ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں وہ .... کہلاتے ہیں۔

(ii) 1876ء میں .... نے ٹیلی فون ایجاد کیا۔

(iii) .... موجودہ دور کی سب سے اہم ایجاد ہے۔

(iv) .... کا ریلوے نظام بہت مشہور ہے۔

(v) ممالک کے درمیان اشیاء کی خریدوفروخت .... کہلاتی ہے۔

(ج) صحیح جواب پر (✓) نشان لگائیں۔

(i) پاکستان میں فولاد سازی کا سب سے بڑا کارخانہ کراچی میں ہے۔

(ii) پاکستان کھالیں بھی بڑی تعداد میں درآمد کرتا ہے۔

(iii) کپاس پاکستان کی ایک اہم برآمد ہے۔

(iv) ترقی یافتہ ممالک میں ریل سب سے اہم اور سستا ذریعہ آمدورفت ہے۔

(v) اٹھارویں صدی میں بصری اور سمعی ریکارڈنگ کی صنعت نے بہت فروغ پایا۔

سرگرمیاں

1. کسی دکان پر جا کر ان چیزوں کی فہرست بنائیے جو درآمد کی گئی ہوں۔
2. گوشوارہ بنائیے اور اس میں پاکستان کی برآمدات اور درآمدات کے نام لکھیے۔
3. دنیا کے نقشے کے خاکے میں اہم بحری راستے دکھائیے جو تجارت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔
4. اپنے گھر کی چیزوں کو دیکھ کر دو فہرستیں بنائیے۔ ایک میں وہ اشیاء لکھیے جو پاکستان میں تیار ہوتی ہیں اور دوسری میں ان اشیاء کے نام لکھیے جو درآمد شدہ ہیں۔
5. اپنے استاد سے درخواست کیجیے کہ وہ آپ کو برآمدی ترقیاتی بیورو (EPB) کے کسی تجارتی میلے میں لے کر جائیں۔
6. معلوم کیجیے کہ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز (PIA) کی پروازیں کن کن مقامات تک جاتی ہیں۔ ان کو دنیا کے نقشے پر ظاہر کیجیے۔
7. پاکستان کی داخلی یا گھریلو تجارت کے لیے استعمال ہونے والی تجارتی راہیں دریافت کیجیے۔

سیاحت

سیاحت کی اہمیت

ایک جگہ سے دوسری جگہ سیر و تفریح کی غرض سے سفر کرنے کا نام سیاحت ہے۔ سیاحت عام طور پر تفریحی و دلچسپی کے لیے تاریخی اہمیت کی جگہوں کو دیکھنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں کئی جگہوں پر رب العالمین نے مسلمانوں کو سفر کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ خوبصورت مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرسکیں۔ سفر کو انسان کے لیے وسیلۂ ظفر بھی قرار دیا گیا ہے۔

سیاحت کو اس لیے بھی اہم قرار دیا گیا ہے کہ اس کی بدولت انسانی ترقی کے مختلف مدارج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ تفریحی سیاحت کو موجودہ دور میں بہت اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ سال 2000ء میں بین الاقوامی سیاحوں کی تعداد 70 ملین (7 کروڑ) کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ سیاحت اکیسویں صدی کی ایک اہم صنعت ہے۔ سیاحت کے قومی آمدنی پر گہرے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ یہ لوگوں کی آمدنی کا ایک اچھا ذریعہ ثابت ہورہا ہے۔

دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی سیاحوں کی دلچسپی کے بے شمار مقامات ہیں۔ ہمارے ملک میں موہنجو داڑو اور ہڑپہ، مغلوں کی تاریخی عمارتیں اور ٹیکسلا میں گوتم بدھ کے مجسمے سیاحوں کی دلچسپی کا موجب ہیں۔ اسی طرح پاکستان میں بلند و بالا پہاڑی چوٹیاں، سرسبز وادیاں، چمکتے ہوئے پانی کے دریا، روشن سمندری ساحل بھی سیاحوں کے لیے دلچسپی اور دل کشی کا باعث ہیں۔ آیئے تاریخی اہمیت کے چند مشہور سیاحوں کے بارے میں گفتگو کریں۔

البیرونی

البیرونی کا نام ابو ریحان محمد بن احمد، البیرونی ان کا لقب تھا۔ وہ 4 ستمبر 973ء کو وسطی ایشیا میں خوارزم شہر کے قریب پیدا ہوئے۔ وہ شروع ہی سے بڑے ذہین اور محنتی تھے اور جلد ہی مختلف علوم میں دسترس حاصل کرلی۔ البیرونی نے جتنی شہرت پائی اس میں ان کی ذاتی کوشش، محنت اور عزم کو دخل حاصل تھا۔ ان کے والدین غریب تھے۔ البتہ انھیں ایک مسلمان شاہی دربار کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ البیرونی نے اس زمانے میں اپنی مشہور کتاب ''آثار الساقیہ'' لکھی جس میں پرانی قوموں کی تہذیب، معاشرت اور سیاست کے متعلق حالات ملتے ہیں۔ خوارزم واپس آ کر انھوں نے خوارزم کی تاریخ

البیرونی

لکھی۔ اس کے بعد وہ محمود غزنوی کے دربار میں جنگی قیدی کی حیثیت سے پہنچے مگر سلطان نے انھیں بڑے عزت و احترام سے اپنے دربار میں جگہ دی اور اپنا مشیر بنالیا۔ برصغیر پر محمود غزنوی کے حملوں نے اسلام کی اشاعت کے لیے نئی راہیں کھول دیں۔ البیرونی بیس سال تک برصغیر کے طول و عرض میں گھومتے رہے۔ آپ نے ہندو مذہب اور فلسفہ کے متعلق بہت کچھ سیکھا اور اس کے بدلے یہاں کے لوگوں کو عربی اور یونانی زبانیں سکھائیں۔ آپ نے سنسکرت جیسی مشکل زبان پر عبور حاصل کیا اور ''بھگوت گیتا'' کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ آپ نے عیسائیت، یہودیت، بدھ مت اور زرتشی مذہب اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔

البیرونی کو لکھنے لکھانے کا بہت شوق تھا۔ آپ نے فلسفہ، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، طبیعات اور علمِ فلکیات پر کتابیں لکھیں۔ آپ نے ہندوستان کے متعلق اپنے تجربات و مشاہدات کو اپنی مشہور کتاب ''تحقیق الہند'' میں درج کیا۔ اس میں ہندوؤں کے مذہب، فلسفہ، معاشرت اور تہذیب کی سچی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی۔ ہندو آپ کے علم وفضل سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کو ودیا ساگر یعنی علم کا سمندر کہنے لگے۔

البیرونی پہلے مسلمان تھے جنھوں نے شطرنج کا تعارف مسلم ممالک سے کرایا۔ آپ پہلے ریاضی دان تھے جنھوں نے تمام کائنات کے رقبے کا حساب لگایا اور کرۂ ارض کے محیط کا حساب لگایا۔ قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا طریقہ بھی البیرونی نے معلوم کیا۔ آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ روشنی آواز سے زیادہ تیزی سے سفر کرتی ہے۔ آپ کو علمِ فلکیات میں بڑی مہارت تھی۔ انھوں نے 1048ء میں وفات پائی۔

ابن بطوطہ

ابن بطوطہ کا نام ابوعبداللہ ابن بطوطہ تھا۔ وہ مراکش کے ساحلی شہر طنجہ میں 24 فروری 1304ء کو پیدا ہوئے۔ ابن بطوطہ نے دینی اور ادبی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی۔ علم حاصل کرنے کے شوق نے اسے سیاحت پر اکسایا۔ انیس سال کی عمر میں وہ اپنے وطن سے نکلے اور قریباً تیس سال کی عمر تک انھوں نے دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر کی اور 120,000 کلومیٹر کا سفر طے کیا۔ ابن بطوطہ نے براعظم افریقہ اور ایشیا کے ایک بہت بڑے حصے کی سیر کی۔ مصر کے شہر قاہرہ میں ان کی ملاقات بڑے بڑے علماء سے ہوئی۔ مشہور زمانہ جامعہ الازہر میں آپ نے قانون اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ پہلے مصر اور

ابن بطوطہ

شام کے راستے اور تین سال تک مدینہ میں علمِ حدیث سیکھنے کے لیے قیام کیا۔ وہ پھر ایشیائے کوچک اور روسی ترکستان سے ہوتا ہوا افغانستان کے راستے ہندوستان پہنچے۔ ان دنوں سلطان محمد تغلق ہندوستان کا حکمران تھا۔ وہ عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس نے ابن بطوطہ کی بڑی عزت کی اور اسے دہلی کا قاضی مقرر کردیا۔ یہاں ابن بطوطہ نے مولانا بدر الدین کے نام سے شہرت پائی۔ سلطان محمد تغلق نے ابن بطوطہ کو اپنا سفیر بنا کر چین روانہ کیا۔ اس سفر میں ان کا جہاز تباہ ہوگیا۔ ابن بطوطہ سلطان کے خوف سے واپس دہلی نہ آئے بلکہ جزائر مالدیپ چلے گئے جہاں ان کی تقرری بطور قاضی ہوگئی۔ مالدیپ کے بعد ابن بطوطہ سری لنکا اور چین جا پہنچے۔ چین کی سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آنے کی بجائے سماٹرا، جاوا اور کالی کٹ کے راستے عرب، شام اور مصر ہوتے ہوئے اپنے وطن پہنچ گئے۔ دو سال بعد پھر سفر پر روانہ ہوئے اور ہسپانیہ اور سوڈان کی سیاحت کی۔ واپسی پر انھیں مراکش میں قاضی بنادیا گیا۔ قریباً پندرہ سال تک وہ اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ انھوں نے 1368ء میں وفات پائی اور طنجہ میں دفن ہوئے۔

ابن بطوطہ نے اپنی سیاحت کا زمانہ محض سیر و تفریح میں نہیں گزارا بلکہ جس جگہ گئے وہاں کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ ابن بطوطہ نے چین کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک پرامن ملک ہے۔ راستے اور شاہراہیں محفوظ ہیں۔ یہاں کاغذی نوٹ چلتے ہیں جو ہتھیلی کے برابر ہوتے ہیں جن پر بادشاہ کی مہر ہوتی ہے۔ اس ملک میں عوام کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اکثر مسلمان تجارت پیشہ ہیں۔ ابن بطوطہ کا سفرنامہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ اس میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ صداقت پر مبنی اور قابل اعتماد ہیں۔ ایشیائے کوچک کے متعلق ابن بطوطہ بتاتا ہے کہ یہ علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ وہ یونانی زبان سے واقف نہ تھا۔ پھر بھی اس نے قسطنطنیہ کا ذکر بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ ابن بطوطہ پہلا شخص تھا جس نے جزائر مالدیپ کے متعلق کچھ لکھا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ابن بطوطہ نشاۃ ثانیہ سے قبل دنیا کا عظیم ترین سیاح گزرا ہے۔ اور اس کا یہ دعویٰ کہ وہ "مسافرِ اسلام" ہے حقیقت رکھتا ہے۔ اس نے تقریباً سارے ہی مسلم ممالک کی سیاحت کی۔ ابن بطوطہ نے تقریباً ساٹھ ممالک کی سیر کی تھی۔

مارکو پولو

مارکو پولو دنیا کا ایک مشہور سیاح گزرا ہے۔ وہ 1254ء میں وینس (اٹلی) کے ایک اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوا۔ وہ

مارکوپولو

ابن بطوطہ کا ہم عصر تھا۔ مارکوپولو کی پیدائش کے وقت اس کے والد اور چچا چین کے بادشاہ قبلائی خان سے ملاقات کے لیے گئے ہوئے تھے۔ قبلائی خان نے ان کا بڑا گرم جوشی سے استقبال کیا اور عیسائیت کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے پولو برادران سے درخواست کی کہ وہ یورپ واپس چلے جائیں اور پوپ کو اس بات کے لیے آمادہ کریں کہ وہ عیسائی عالموں کو اس کے پاس بھیجیں جو اسے مذہب کی تعلیم دیں۔ نکولو اور مافیو 1269ء میں یورپ واپس آگئے تاکہ خان اعظم کی خواہش پوری ہوسکے۔ پولو برادران کی منگول دربار میں واپسی پر پوپ نے دو مبلغین کو ان کے ہمراہ کردیا۔ یہ جماعت 1271ء میں روانہ ہوئی مگر اس مرتبہ نکولو کا بیٹا مارکو بھی ان کے ساتھ تھا۔ اکرے (اب اکّو۔ اسرائیل) سے روانگی کے فوراً بعد مبلغین راستے کے پر خطر اور دشوار گزار حالات سے گھبرا گئے اور اپنی سفارت منقطع کردی۔ تاہم تینوں پولو نے اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ صحرائے گوبی عبور کر کے قبلائی خان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اسے عبور کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ قبلائی خان مارکوپولو کی ہمت، شوق اور عزم سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ شاہی دربار میں اکثر آتا رہتا تھا۔ اس نے بہت جلد بادشاہ کے دل میں گھر کرلیا۔ قبلائی خان نے مارکوپولو کو سفیر بنا کر مائنمار اور جنوبی ہندوستان بھیجا۔ مارکوپولو نے بیان کیا ہے کہ سفارتی ذمہ داریوں کے علاوہ قبلائی خان نے اسے تین سال کے لیے بڑے تجارتی شہر یانگ ژو کا گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ لیکن جدید علماء کو اس دعویٰ پر شک وشبہ ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ مارکوپولو کو یانگ ژو میں کسی قسم کی ذمہ داریاں سپرد کی گئی ہوں۔ کیوں کہ چین پر منگول حکمران اپنے چینی محکوموں پر نظر رکھنے کے لیے غیر ملکی ناظمین مقرر کیا کرتے تھے۔ چین میں کافی عرصہ رہنے کے بعد مارکوپولو کو اپنے وطن کی یاد ستانے لگی۔ اس نے بادشاہ سے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے بڑی مشکل سے اجازت دی۔ مارکوپولو سماٹرا اور جنوبی ہندوستان کے راستے ایران پہنچا اور مختلف ملکوں سے گزرتا ہوا وینس پہنچ گیا۔ مارکوپولو بہت زبردست داستان گو تھا۔ اس زمانے کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب مارکوپولو واپس پہنچا تو وینس کے نوجوانوں نے اس کے گھر کو گھیر لیا۔ وہ اس سے ان علاقوں کی داستانیں سننا

مارکوپولو کے سفر کا راستہ

چاہتے تھے جہاں جہاں وہ پہنچا تھا۔ مارکوپولو خود ''رجل الف الف داستان (ملین داستانوں کا مالک شخص)'' اور ''مارکو الف الف داستان'' کے نام سے اور اس کے گھر کا صحن ''صحن الف الف داستان'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔ 1298ء میں وینس اور جنیوا کے درمیان لڑائی ہوئی تو مارکوپولو گرفتار ہوگیا۔ وہ ایک سال تک جیل میں رہا۔ اس دوران اس نے اپنا سفرنامہ تحریر کیا جو بے حد دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ اس نے اپنے سفرنامے میں مشرقی ملکوں کی تاریخ، معاشرت، تہذیب وتمدن اور رسم و رواج کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ 1299ء میں اسے جیل سے رہا کردیا گیا۔ مارکوپولو کے سفرنامے کے بعد کے ایڈیشنوں اور تراجم مختلف عنوانات مثلاً ''ال ملیون (داستان الف الف)'' کارناموں کی کتاب، کتاب مارکوپولو اور مارکوپولو کے سفر کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ رہائی کے بعد مارکوپولو وینس واپس آ گیا جہاں 1324ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

مارکوپولو کے سفر وسیاحت کے حالات و واقعات نے یورپی قارئین کو شدت سے متاثر کیا ہے۔ مارکوپولو کے چین کے سفر کے حالات سے پہلی مرتبہ اہل یورپ کو ایشیائی علاقوں کے بارے میں بنیادی معلومات اور اس علاقے سے تجارت کے امکانات کے بارے میں آگاہی حاصل ہوئی۔ نقشہ نویسوں نے اس سے ایشیا کی سرزمین کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں جبکہ تاجر حضرات نے اپنی تجارتی مہموں کی اس سفرنامے کی روشنی میں منصوبہ بندی کی۔ جب پندرھویں صدی میں پرتگیزی جہازرانوں نے ہندوستان کا بحری راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی تو اسی سفرنامے کا مطالعہ کیا۔ مشہور سیاح اور جہاز راں کرسٹوفر کولمبس کے پاس اس سفرنامے کا لاطینی ترجمہ تھا جس کو اس نے بہت غوروخوص سے پڑھا تھا۔ یہ کتاب جس کے حاشیوں پر اس کے ہاتھ کی مکمل وضاحتیں اور اشارات موجود ہیں ابھی تک محفوظ ہے۔ کولمبس نے جب خود یورپ سے مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے ایشیائی منڈیوں تک پہنچنے کے لیے اپنا سفر مرتب کیا تو اس نے مارکوپولو کے علم جغرافیہ سے بہت مدد لی اور اس پر اعتماد کیا۔

بیسویں صدی میں کچھ اہل علم اور محققین نے مارکوپولو کے بیانات کی صداقت پر شک وشبہ ظاہر کیا ہے۔ کچھ لوگ تو یہ تک کہتے ہیں کہ وہ کبھی چین گیا ہی نہیں بلکہ صرف ان لوگوں سے سنی ہوئی داستانوں کو دہرا دیا ہے جو واقعی وہاں گئے تھے۔ شک وشبہ اور اعتراضات کی وجہ یہ ہے کہ مارکوپولو کے سفرناموں میں چینی معاشرت اور تہذیب کی نمایاں اور اہم خصوصیات کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ ان میں اہم فروگزاشتیں، چوپ اسٹک کا بطور کھانے کے برتنوں میں استعمال، چائے نوشی، مصوری کے ذریعے تحریری زبان یعنی تلفظ کی ادائیگی کے بغیر صرف حروف کے خط و خال سے مفاہیم کی ادائیگی کا طریقہ، لڑکیوں کے پاؤں کو شکنجوں میں کسنا تاکہ ان کے پاؤں کی فطری نمو روکی جاسکے (یہ تصور تھا کہ چھوٹے پاؤں خواتین کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں) اور عظیم دیوار چین کی موجودگی جو چین کے شمالی اور شمال مغربی سرحدوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔

نقادوں کے جواب میں دوسرے عالم یہ نشاندہی کرتے ہیں کہ مارکوپولو چینی محکوم عوام کے بجائے منگول حکمرانوں

کے درمیان رہا تھا۔ اس لیے غالباً اس کا چوپ اسٹک، چائے، پاؤں کی بندش یا چینی تحریری زبان سے اس کا سابقہ ہی نہ پڑا ہو۔ اور جہاں تک دیوار چین کا تعلق ہے تو وہ تو مارکو پولو کے انتقال کے بعد سولہویں صدی میں تعمیر ہوئی ہے۔

کرسٹوفر کولمبس

کرسٹوفر کولمبس

کولمبس 1450ء کے لگ بھگ اٹلی کے شہر جنیوا میں پیدا ہوا۔ چند سال اسکول میں رہ کر اسے مجبوراً گھر پر رہ کر باپ کا ہاتھ بٹانا پڑا۔ مگر گھر پر اس نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ جنیوا کی بندرگاہ پر ملاحوں سے ملتا رہتا اور ان سے بحری سفروں اور دوسرے ملکوں کے حالات معلوم کرتا رہتا۔ اسے ملاحوں کی صحبت بہت پسند آئی اور آخر کار اس نے ایک جہاز پر ملازمت کرلی۔ ملازمت کے دوران اسے چھوٹے چھوٹے بحری سفروں کے مواقع ملے جس سے جہازرانی کے متعلق اس کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ کولمبس کی یہ خواہش تھی کہ وہ دور دراز تک سمندری سفر کرے۔ جب اٹلی میں کولمبس کو کسی بڑے بحری سفر کا موقع نہ ملا تو وہ پرتگال چلا گیا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان اور مشرق بعید تک پہنچنے کے لیے نئے راستے تلاش کرے۔ لیکن شاہ پرتگال نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ نئے بحری راستوں کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارت بحیرۂ روم کے راستے ہوتی تھی لیکن پندرھویں صدی عیسوی کے وسط تک بحیرۂ روم اور اس کے آس پاس کے علاقے ترکوں کے قبضے میں چلے گئے تھے اور اہل یورپ کے لیے بحیرۂ روم کی تجارتی شاہراہ خطرناک ہوگئی تھی۔

کولمبس، شاہ پرتگال سے مایوس ہوکر اسپین چلا گیا۔ وہاں اس نے شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کو نئے راستے کی تلاش کی مہم میں مدد دینے پر آمادہ کرلیا۔ 13 اگست 1492ء کو کولمبس تین جہازوں کے بیڑے کے ساتھ اپنی بحری سفر پر روانہ ہوا۔ کولمبس جس جہاز پر سوار تھا اس کا نام "سانتا ماریا" تھا۔ کولمبس سمیت سانتا ماریا پر چالیس

افراد سوار تھے۔ بقیہ دو جہاز ''پنٹا'' اور ''نینا'' تھے۔ کولمبس فطرت کے اشارات کو سمجھنے میں بڑا ماہر اور استاد تھا یعنی یہ کہ پرندوں کا رویہ، ہوا میں پھیلی ہوئی بو، آسمان کا رنگ، سمندر کی کیفیت، اپنے جوڑوں میں ہونے والے درد، سطح سمندر پر تیرتے ہوئے کوڑے اور اسی قسم کے اشاروں کا کیا مطلب ہے؟ اسی طرح فطرت کے اشاروں کو پڑھنے اور سمجھنے والے جہازراں ہی بقا پاتے ہیں اور بچ نکلتے ہیں۔ کولمبس اس کا ماہر تھا۔ اور وہ سمندری طوفانوں تک کی درست پیشگوئی کرسکتا تھا۔ سفر کا ابتدائی حصہ بڑا خوشگوار گزرا لیکن بحر اوقیانوس کے وسطی حصے میں کولمبس کے بیڑے کو ناسازگار موسم اور سرکش لہروں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار کولمبس اپنے بیڑے سمیت ایک جزیرے پر اترا۔ اس نے اپنے قریب کوئی چھوٹے جزیرے دیکھے۔ وہ سمجھا کہ وہ ہندوستان کے کسی مغربی جزیرے میں پہنچ گیا ہے۔ اسی بناء پر اس نے ان جزیروں کو غرب الہند (ویسٹ انڈیز) اور وہاں کے باشندوں کو ریڈ انڈین کا نام دیا۔ پانچ ہفتے کے قیام کے بعد کولمبس واپس ہوا۔ واپسی پر اسپین میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس کو تمام اعزازات سے نوازا گیا اور اس کو نیا خطاب ''بحری سمندروں کا ایڈمرل'' عطا کیا گیا۔ کولمبس ان جزائر سے اپنے ساتھ تمباکو اور آلو کے بیج بھی لایا۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں یورپ اور ایشیائی ممالک تک پہنچیں۔

کولمبس دوبارہ ان علاقوں کے گورنر کی حیثیت سے ویسٹ انڈیز گیا۔ اس مرتبہ اس نے آگے بڑھ کر امریکہ کے مشرقی ساحل پر کچھ اور علاقے دریافت کئے۔ 1496ء میں اسپین واپسی سے قبل کولمبس کیوبا گیا اور جمیکا کو دریافت کیا۔ ایڈمرل کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ کیوبا ایشیا کی سرزمین میں شامل ہے اور منگول ریاست کا حصہ ہے۔ اگرچہ کہ اس نے کبھی بھی اس جزیرے کا پورا چکر نہیں لگایا۔ تاہم اس نے اپنے لوگوں سے یہ حلف لیا لیا کہ کیوبا ایشیا کے مضافات میں ہے۔

اس کی واپسی پر شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا نے کولمبس کو شاہانہ خراجِ عقیدت پیش کیا اور اس نئے جزیرے کی دریافت اور اس کے بھرپور وسائل کے بارے میں داستانیں دلچسپی سے سنیں۔ وہ اس کے بہت شکر گزار نظر آتے تھے۔ اور اس کی ہر طرح حمایت کرتے رہے لیکن اس کو تیسرے سفر کی اجازت دینے کے لیے ایک سال تک انتظار کیا۔ اس نئی دریافت نے یورپی آبادکاروں کے لیے کشش کا سامان پیدا کردیا۔ وہ بہت بڑی تعداد میں اس نئے براعظم میں پہنچے اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی محنت اور لگن سے کئی علاقے آباد کرلیے۔ یہ امر نہایت دلچسپ ہے کہ کولمبس کو زندگی کے آخری لمحے تک یہ علم نہ ہوا کہ اس نے کوئی نیا قطعہ زمین یا براعظم دریافت کیا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ وہ ہندوستان کے مغربی جزائر میں پہنچ گیا۔ تاہم کولمبس کی عظمت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ وہ عزم و ہمت کا پیکر تھا۔ ہزاروں مصائب اور انتہائی مشکلات کے باوجود وہ اپنی مہمات میں کامیاب و کامران رہا۔

واسکوڈے گاما

واسکوڈے گاما

واسکوڈے گاما1460ء میں پرتگال کے شہر سائنز (Sines) میں پیدا ہوا۔ کولمبس کی کامیابی نے یورپ کی دوسری قوموں کو بحری مہم جوئی پر اکسایا۔ اس میں اسپین کا پڑوسی ملک پرتگال پیش پیش تھا۔ شاہِ پرتگال نے پانچ بحری جہازوں کا ایک بڑا بیڑا تیار کیا جس میں ایک سو بیس ملاح تھے۔ قابل اور باہمت جہاز ران واسکوڈے گاما اس بیڑے کا کپتان مقرر ہوا۔ واسکوڈے گاما 18 جون 1497ء کو پرتگال کی بندرگاہ لزبن سے نیا بحری راستہ دریافت کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اور افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے راس امید کے گرد چکر لگا کر افریقہ کے مشرقی ساحل پر جا پہنچا۔ واسکوڈے گاما کو بھی کولمبس کی طرح خراب موسم اور سمندری طوفانوں کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ساتھی مسلسل تکلیف دہ سفر سے دلبرداشتہ ہوکر واپسی کا مطالبہ کرنے لگے، بلکہ واسکوڈے گاما کو قتل کرنے کی سازش بھی کی لیکن سازش کا بروقت علم ہوگیا اور واسکوڈے گاما نے ہوشیاری سے کام لے کر سازشیوں کو جہاز کے ایک کیبن میں بند کردیا۔ آخر ان لوگوں نے معافی مانگ لی اور سفر یکسوئی سے جاری رہا۔ موزمبیق پہنچ کر واسکوڈے گاما خود ناامیدی کا شکار ہوگیا۔ آگے کھلے سمندر میں سفر کی ہمت اس میں نہ تھی لیکن یہاں اس کی ملاقات ایک عرب ملاح احمد بن ماجد سے ہوئی جس نے واسکوڈے گاما کی رہنمائی کی اور وہ 24 اپریل 1498ء کو کالی کٹ تک پہنچنے کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔
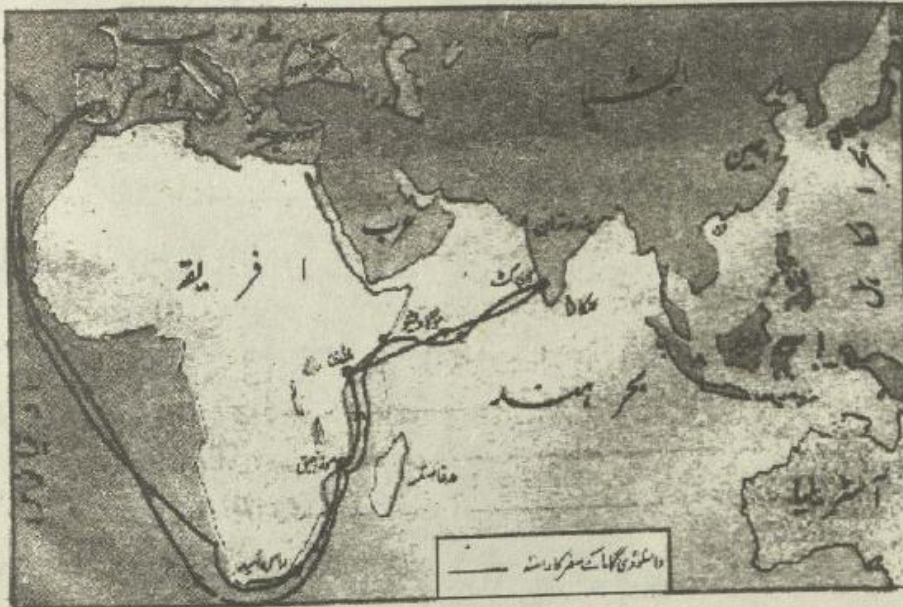
واسکوڈے گاما کے سفر کا راستہ

واسکوڈے گاما نے کالی کٹ کے مقامی حاکم زیمون کو تحفے تحائف دیئے اور اس سے تجارت کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ اس زمانے میں ہندوستان کی تجارت پر عرب چھائے ہوئے تھے۔ فطری بات تھی کہ وہ واسکوڈے گاما کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ عرب تاجروں نے راجہ

زیمورن کو آگاہ کیا کہ مغربی تاجر لٹیرے اور مفاد پرست ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ واسکوڈے گاما1499ء میں اپنے وطن واپس آ گیا۔1502ء میں وہ پھر کالی کٹ پہنچا۔ اس مرتبہ اس نے راجہ کے بحری بیڑے کو تباہ کردیا اور مسلمان تاجروں کا قتل عام کیا۔ گرم مصالحہ جات سے بھرے ہوئے ایک جہاز کو لے کر اس نے ہندوستان کو چھوڑ دیا اور1503ء میں پرتگال واپس پہنچ گیا۔ آئندہ بیس سال تک اس نے کوئی سرگرم بحری ذمہ داری ادا نہیں کی۔ اس کو1519ء میں "وڈی گیورا کے نواب" کے لقب سے نوازا گیا۔ اور1524ء میں اسے وائسرائے بنا کر ہندوستان بھیجا گیا کہ وہ یہاں پر پرتگیزی حکمرانوں میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی پر قابو پا سکے۔ واسکوڈے گاما1524ء کے اواخر میں ہندوستان پہنچا۔ لیکن اپنی آمد کے صرف تین ماہ بعد ہی اس کا کوچین میں انتقال ہوگیا۔ واسکوڈے گاما کی وفات کے بعد المیڈ اور البوقرق نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور کچھ عرصے کے بعد بحرِ ہند کی تجارت کے واحد مالک بن گئے۔

نذیر صابر

نذیر صابر ولد سادات شاہ ہنزہ وادی کے رہنے والے ہیں اور کوہ پیمائی کے لیے گزشتہ دو عشروں سے بین الاقوامی طور پر جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ انھوں نے پاکستان میں آٹھ ہزار میٹر بلندی پر واقع پانچ چوٹیوں میں سے چار چوٹیوں کو سر کیا۔ ان میں دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے۔ٹو کی چوٹی بھی شامل ہے۔ نذیر صابر نے1982ء میں صدارتی تمغہ حسنِ کارکردگی حاصل کیا۔ اس طرح وہ ایک نمایاں کوہ پیماں کے طور پر مشہور ہوئے۔

پاکستان میں سیاحت

پاکستان بہت سے عجائبات کی سرزمین ہے اور وسطی ایشیائی ممالک کے لیے راہ داری کے طور پر اہمیت حاصل کر گیا ہے۔ 14 کروڑ آبادی کے ملک کے اندر مختلف نوعیت کے سیاحت کے مقامات ہیں۔ جن میں بلند و بالا پہاڑ، سرسبز و شاداب وادیاں، لہلہاتے ہوئے کھیت، تپتے ہوئے صحرا اور بحیرۂ عرب پر واقع خوبصورت ساحل موجود ہے۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات ہمیشہ سے باہر آنے والے لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث رہے ہیں۔ اسی طرح موہنجوداڑو، ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ اور ٹیکسلا میں گندھارا کی تہذیب پوری دنیا میں سیاحت کے لیے مشہور ہے۔

1999-2000ء میں پاکستان میں ساڑھے چار لاکھ کے لگ بھگ غیر ملکی سیاحوں نے پاکستان دورہ کیا۔1999ء کے دوران پاکستان کو سیاحت کے ذریعے 7 کروڑ 64 لاکھ امریکی ڈالر کی آمدنی ہوئی۔ اس سال زیادہ تر سیاح دنیا کے مختلف ممالک آسٹریلیا، کینیڈا، انڈونیشیا، کویت، فلپائن، جنوبی افریقہ، سوئٹزر لینڈ، ترکی، برطانیہ وغیرہ سے سیاحت کے لیے آئے۔ یہ سیاح عمومی طور پر فضائی، سمندری اور زمینی راستوں سے پاکستان میں داخل ہوئے۔ حکومت پاکستان نے سیاحت کے مختلف پہلوؤں کو فروغ دینے کے لیے 2001-2002ء کے بجٹ میں تقریباً8 کروڑ روپے کی رقم مختص کی تھی۔ سیاحت

کے فروغ کے لیے حکومت پاکستان نے مختلف ذرائع اختیار کئے ہیں۔ ان میں تصویری پوسٹ کارڈ، پوسٹرز، ویڈیو کیسٹ، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے تشہیر، بین الاقوامی صحافیوں کے لیے مطالعاتی دورے اور سیاحت سے منسلک مختلف تنظیموں سے رابطے شامل ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ پاکستان میں سیاحت کے فروغ کی ذمہ داری وفاقی اور صوبائی حکومت دونوں پر ہے۔

سیاحت کے مقامات

پاکستان میں سیاحت کے مقامات ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے ملک کے مختلف حصوں کی سیاحت کی جگہیں مندرجہ ذیل ہیں:

(i) بلوچستان میں سیاحت کی جگہیں مہر گڑھ، زیارت میں قائداعظم کی آخری رہائش گاہ، بیلا میں ابن ہارون کا مقبرہ اور خاران کا قلعہ۔

(ii) سندھ میں سیاحت کے مراکز ضلع ٹھٹھہ میں مکلی اور شاہجہانی مسجد اور بھنبھور کے آثارِ قدیمہ، ضلع دادو

موئن جو دڑو

میں رانی کوٹ کا قلعہ، ضلع میرپورخاص میں کاہو جو دڑو، عمرکوٹ کا قلعہ، خیر پور میں کوٹ ڈی جی کا قلعہ، ضلع لاڑکانہ میں موئن جو دڑو کی عہدِ رفتہ کی تہذیب کے آثارِ قدیمہ، اور سکھر کا میر معصوم شاہ کا مینار شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سندھ میں منچھر اور کینجھر کی جھیلیں بھی سیاحت کے لیے مشہور ہیں۔

(iii) صوبہ سرحد میں جمال گڑھ، تخت بائی، قلعہ بالاحصار شامل ہیں۔

(iv) صوبہ پنجاب میں قلعہ روہتاس، ضلع اٹک میں بہرام کی بارہ دری، ضلع ساہیوال میں ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ، شاہی قلعہ لاہور، شالامار باغ، جہانگیر کا مقبرہ، بادشاہی مسجد لاہور اور ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ بہت نمایاں ہیں۔

(v) شمالی علاقہ جات میں ہنزہ کی وادی، گلگت اور اسکردو اپنے فطری حسن کی وجہ سے سیاحوں کے لیے دلکشی کا باعث ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان میں زیارت، کوہ مری، ایبٹ آباد اور گورکھ ہل صحت افزاء مقامات ہیں۔

بزرگانِ دین کی زیارت بھی سیاحت کے نقطہ نظر سے ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے توجہ کا باعث ہے۔ ضلع خیر پور میں سچل سرمست کا مزار، بھٹ شاہ (ضلع حیدرآباد میں) شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مزار، سیہون شریف میں لال شہباز قلندر اور کلفٹن کراچی میں عبداللہ شاہ غازی کا مزار اہم زیارت گاہیں ہیں۔

پنجاب میں بزرگانِ دین کے مزارات، اسلام آباد میں بری امام اور پیر مہر علی شاہ کا مزار (گولڑہ شریف)، لاہور میں داتا دربار، مادھو لال شاہ حسین، پاکپتن میں بابا فرید شکر گنج، ملتان میں شاہ شمس تبریز اور قصور میں بلھے شاہ کے مزارات ہیں۔

صوبۂ سرحد میں بے شمار فطری حسین مقامات کے علاوہ نوشہرہ کے قریب زیارت کا کاخیل سیاحت کے لیے ایک اہم مقام ہے۔

سیاحت کو فروغ دینے والے ادارے

پاکستان میں سیاحت کو فروغ دینے والے ادارے مندرجہ ذیل ہیں:

(i) سیاحت و ثقافت اور نوجوانوں کے امور کی وزارت۔

(ii) پاکستان میں سیاحت کے فروغ کی کارپوریشن۔

(iii) سیاحتی خدمات کا محکمہ۔

(iv) پاکستان کا سیاحت کا تربیتی ادارہ۔

(v) پاکستان میں سیاحت کو فروغ دینے والے مختلف پرائیوٹ ادارے جن میں پاکستان کے فائیو اسٹار (پنج ستارہ) ہوٹل مثلاً ہالی ڈے ان، پرل کانٹی نینٹل، شیرٹن ہوٹل، میریٹ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

پاکستان نے سیاحت کو فروغ دینے کے لیے دنیا کے مختلف ممالک کے ساتھ معاہدے کئے ہیں۔ ان ممالک میں ترکی، شام، مصر، رومانیہ، ایران، چین اور وسطی ایشیا کی ریاستیں شامل ہیں۔

پاکستانی تفریحی مقامات

صوبائی سطح پر چاروں صوبوں میں سیاحت کے محکمے قائم کیے گئے ہیں۔ یہ محکمے سیاحت کی وفاقی وزارت کے ساتھ مل کر سیاحت کے فروغ کے لیے مختلف منصوبے تیار کرتے ہیں۔

مشق

(الف)

1. سیاحت کی اہمیت بیان کریں۔
2. مندرجہ ذیل سیاحوں کی شخصیات پر نوٹ لکھیں۔
3. پاکستان میں سیاحت کے حوالے سے حکومت کی کوششوں پر نوٹ لکھیں نیز سیاحت کے مقامات اور فروغ سیاحت کے لیے قائم مختلف اداروں کے نام لکھیں۔

(ب) خالی جگہیں پر کیجیے۔

(i) ایک جگہ سے دوسری جگہ سیر وتفریح کی غرض سے سفر کرنے کا نام .... ہے۔

(ii) البیرونی کا اصل نام .... تھا۔

(iii) ابن بطوطہ کا .... نام تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

(iv) مارکوپولو .... کا ہم عصر تھا۔

(v) پاکستانی کوہ پیما .... نے 1982ء میں صدارتی ایوارڈ حاصل کیا۔

(ج) بیان کے سامنے غلط (غ) اور صحیح پر (ص) لکھئے۔

(i) کولمبس کے سب سے بڑے جہاز کا سانا ماریا تھا۔

(ii) مارکوپولو کی کامیابی نے یورپ کی دوسری قوموں کو مہم جوئی پر اکسایا۔

(iii) کالی کٹ کی بندرگاہ پر واسکوڈے گاما کا جہاز لنگر انداز ہوا۔

(iv) پاکستان نے سیاحت کو فروغ دینے کے لیے دنیا کے مختلف ممالک کے ساتھ معاہدے کئے ہیں۔

سرگرمیاں

(i) مسلم اور غیر مسلم سیاحوں کی تصاویر اکٹھی کریں اور البم بنائیں۔

(ii) آپ اپنے آپ کو البیرونی تصور کرتے ہوئے کلاس میں اپنے سفرنامے کا حال تحریر کریں۔

(iii) چند تاریخی مقامات کی تصاویر اپنی البم میں لگائیں۔

(iv) جن سیاحوں کے بارے میں آپ نے پڑھا ہے ان کی مہمات کو پیش نظر رکھ کر ایک نمونے کا کھیل (ڈرامہ) ترتیب دیجئے۔

آٹھواں باب

نظریۂ پاکستان

نظریۂ پاکستان سے مراد وہ نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا اور یہ نظریہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی وجہ سے مسلمانوں کا دین اور ان کا قومی وجود مسلسل خطرے میں تھا۔ اس لحاظ سے پاکستان کا وجود ناگزیر تھا۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی نظریاتی ریاست ہے جس کی بنیاد دین اسلام پر رکھی گئی۔ اس نئی مملکت میں غیر مسلمانوں کے تحفظ کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔ بانی پاکستان حضرت محمد علی جناحؒ نے اس ضمانت کا کئی دفعہ اقرار کیا لیکن اس کی اسلامی بنیاد کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔

حقیقت میں نظریۂ پاکستان کوئی نئی چیز نہیں ہے، بات صرف یہ ہے کہ اس تاریخی حقیقت کو مخصوص حالات کے تحت ایک نئی اور واضح صورت میں پیش کیا گیا۔ سرسید احمد خان نے ہندوؤں کے تعصّبانہ رویہ کے باعث سب سے پہلے نظریۂ پاکستان پیش کیا۔ ان کے بعد علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد 1930ء میں واضح طور پر نظریۂ پاکستان پیش کیا۔ قبل ازیں قائداعظم کے چودہ نکات 1929ء بھی اسی منزل کی نشاندہی کرتے تھے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری، مضامین اور خطبات سے مسلمانوں کے قومی شعور کو ابھارا اور ان میں آزادی کی نئی روح پھونک دی اور انھیں پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔

ہندو کا نظریہ یہ تھا کہ برصغیر میں صرف ایک قوم بستی ہے۔ دوسری اقوام کو بھی اس ایک قوم کا حصہ بن جانا چاہیے یا پھر ہندوستان سے نکل جانا چاہیے۔ اس کا اظہار وہ مسلمانوں کے عہدِ زوال سے ہی کر رہے تھے اور مختلف انتہا پسند ہندو تنظیمیں آریہ سماج وغیرہ انیسویں صدی سے سرگرم تھیں۔ حتیٰ کہ پاکستان بننے کے نصف صدی بعد آج تک یہ تنظیمیں مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے درپے ہیں۔

اس کا اظہار بابری مسجد کی شہادت اور فسادات گجرات کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ ہندو نسل پرست نہ صرف مسلمان بلکہ تمام غیر ہندو اقوام کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں اور اس نسل پرستانہ پالیسیوں کا نشانہ مسیحی اور دوسری اقلیتیں آئے دن بنتے رہتے ہیں۔ ماضی میں شدھی اور سنگھٹن غیر ہندو اقوام کو واپس ہندو مذہب میں لانے کے لئے قائم کی گئیں۔ ہندوستان کے موجودہ حالات سابقہ ڈیڑھ سو سال سے ملتے جلتے ہیں۔ دراصل یہ انتہا پسند کاروائیاں ہی نظریہ پاکستان کی نادانستہ طور پر خالق بن گئیں۔ ''تنظیم'' اور ''تبلیغ'' طرح کی تحریکیں مسلمانوں کو شروع کرنا پڑیں ورنہ نظریہ پاکستان کے سب مسلمان داعی، سرسید احمد خان، علامہ اقبالؒ اور قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے لیکن بعد ازاں ہندو نسل پرستی نے انہیں نظریہ پاکستان پیش کرنے پر مجبور کیا۔

جنگ آزادی 1857ء تا حصولِ آزادی 1947ء

پچھلی جماعتوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یورپی اقوام نے جنوبی ایشیاء کا متبادل سمندری راستہ دریافت کرنے کے بعد ہندوستان میں اپنے پاؤں جمانے کی کوشش شروع کردیں۔ان میں انگریز اپنی سازشوں کی بدولت نہ صرف دوسری قوموں پر غالب آگئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کرکے بالآخر ہندوستان کی حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔جب مسلمانوں نے غیروں کے ہاتھوں اپنی ہزار سالہ حکومت کو اس طرح تباہ و برباد ہوتے دیکھا تو باوجود اس کے کہ وہ کمزور تھے اور انتشار وافراتفری کا شکار تھے لیکن پھر بھی جب کسی آزاد، خود مختار اور حاکم قوم کو یا کسی ذی حس فرد کو قید کرلیا جائے یا اس کے گھر پر قبضہ جمالیا جائے تو اس امر سے قطع نظر کہ انجام کیا ہوگا، دوبارہ آزادی کے لیے جدوجہد فطری ردعمل ہے۔ حقیقت میں 1857ء کی جنگِ آزادی اسی فطری ردعمل کا نتیجہ تھی۔ اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن اس ناکامی نے مسلمانوں کے دلوں کو ایک نیا عزم بخشا۔ یہی وہ عزم تھا کہ مسلمانوں نے 1947ء میں آزادی کی صورت میں حاصل کیا۔

1857ء سے 1947ء تک کا عرصہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے زبردست آزمائشوں، قربانیوں اور جدوجہد کا زمانہ تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی

انگریز اس جنگ کو غدر کا نام دیتے تھے اور اپنے مخالفوں کو ''باغی'' کہتے تھے، مگر یہ جنگ انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کی پہلی متحد کوشش تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اگرچہ اس سے آزادی تو حاصل نہ ہوئی لیکن اس ناکامی نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک نئے جوش اور ولولہ کو جگہ دی جس کے نتیجے میں 1947ء میں مملکت پاکستان وجود میں آئی۔

بے چینی کے اسباب

لارڈ ڈلہوزی نے مسئلہ الحاق پر سختی سے عمل کیا اور یکے بعد دیگرے دیسی ریاستوں کو انگریزی حکومت میں شامل کرتا گیا۔ اب تک اگر کسی دیسی حکمران کا اپنا بیٹا نہ ہوتا تو وہ کسی کو اپنا وارث بنا سکتا تھا۔ نئے قانون کے مطابق اگر کوئی حکمران لاولد مرجاتا تو اس کی وفات پر اس کی ریاست انگریزی حکومت میں شامل کرلی جاتی۔

جھانسی کی رانی لکشمی بائی کی اولاد نہ تھی اس لیے اس کی ریاست کو ضبط کرلیا گیا۔ مغل بادشاہ اگرچہ انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا مگر لوگ اب بھی اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ لارڈ کیننگ نے آتے ہی اعلان کردیا کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ کی وفات پر اس کی اولاد کو لال قلعہ خالی کرنا پڑے گا اور اس کے کسی وارث کو بادشاہ کا خطاب نہیں دیا جائے گا۔ اودھ کے لوگ اپنے نواب سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ انگریزوں نے نواب کو تخت سے اتار کر کلکتہ میں نظر بند کردیا اور ریاست پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ اس کی معزولی سے عوام میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔

عیسائیت کی اشاعت

عیسائی پادریوں کا اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا تھا وہ اپنی حکومت کی مدد سے کھلے عام اپنے مذہب کا پرچار کررہے تھے۔ وہ شہروں اور دیہات میں جاکر آزادی سے جلسے کرتے، عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کرتے اور دوسرے مذہبوں کو برا کہتے۔ ان دنوں لوگوں کو اپنے مذہب سے بہت لگاؤ تھا۔ کوئی شخص اپنے مذہب کی بے حرمتی برداشت نہ کرسکتا تھا لیکن حکومت کے افسر پادریوں کا حوصلہ بڑھاتے اور ان کے جلسوں میں شریک ہوتے۔ اس سے لوگ انگریزی حکومت کو عیسائی حکومت سمجھنے لگے اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کے درپے ہوگئے۔

فوجی اسباب

جنگ کی سب سے بڑی وجہ وہ بددلی تھی جو فوج میں پھیل گئی تھی۔ ان کی تنخواہیں انگریز سپاہیوں سے بہت کم تھیں۔ جنگ کے زمانے میں انھیں تنخواہ کے علاوہ الاؤنس بھی ملتا تھا جسے "ڈبل بھتہ" کہتے تھے، اسے بند کردیا گیا۔ 1856ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کی رو سے ہندوستانی سپاہیوں کو سمندر پار ہر جگہ لڑنے کے لیے بھیجا جاسکتا تھا۔ ہندو سپاہیوں نے اس قانون کو اپنی مذہبی توہین سمجھا اور بہت شور مچایا۔

فوری وجہ

جنوری 1857ء میں فوج میں ایک نئی ساخت کی بندوق رائج کی گئی جس میں چربی والے کارتوس استعمال ہوتے تھے۔ کارتوس کو بندوق میں بھرنے سے پہلے منہ سے کاٹنا پڑتا تھا۔ مشہور ہوگیا کہ یہ چربی گائے اور سؤر کی ہے۔ یہ بات بہت حد تک درست تھی۔ جن سپاہیوں نے یہ کارتوس استعمال کرنے سے انکار کیا وہ فوراً گولی سے اڑادیئے گئے۔

واقعات

میرٹھ کی چھاؤنی میں 9 مئی کو 85 سپاہیوں نے چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کردیا۔ فوجی عدالت نے انھیں دس سال قید کی سزا دی اور وردیاں اتار کر جیل میں بھیج دیا۔ اگلے روز اتوار تھا، انگریز افسر گرجا میں تھے کہ سپاہیوں نے جیل کا دروازہ توڑ دیا اور اپنے ساتھیوں کو رہا کرکے دہلی کا رخ کیا۔ جب وہ دہلی پہنچے تو وہاں کی مقامی فوج بھی ان کے ساتھ مل گئی۔ دونوں نے مل کر بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کردیا اور جنرل بخت خان کو اپنا افسرِ اعلیٰ بنادیا۔ یہ جدوجہد برصغیر کے دوسرے شہروں میں بھی پہنچ گئی۔

لکھنو میں مجاہدین نے نواب واجد علی شاہ کے دس سالہ بیٹے کو تخت نشین کیا۔ اس کی ماں حضرت محل اس کی سرپرست مقرر ہوئی۔ اس نے برطانوی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ احمد شاہ اپنی فوج لے کر انگریزوں کے خلاف لکھنو پہنچے۔ مجاہدین نے جم کر جہاد کیا لیکن فتح انگریز فوج کی ہوئی اور لکھنو ان کے قبضے میں چلا گیا۔ کانپور کے مقام پر نانا صاحب نے انگریز فوج کا مقابلہ کیا۔ جھانسی کی رانی بڑی بہادری سے دشمنوں سے لڑتے ہوئے جنگ میں ماری گئی۔ لاہور، سیالکوٹ،

جہلم، پشاور اور نوشہرہ کے مقامات پر مجاہدین نے انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ستمبر 1857ء میں جنرل نکلسن 55 ہزار فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھا۔ چار ماہ کی مسلسل لڑائی کے بعد دہلی پر انگریزوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا۔

بہادر شاہ پر مقدمہ چلایا گیا اور عدالت نے مجرم قرار دے کر مائنمار (رنگون) میں جلاوطن کردیا، جہاں اس نے 1862ء میں وفات پائی۔

انتقام اور سزائیں

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے یہاں کے لوگوں سے چن چن کر بدلے لئے۔ اس جنگ میں سات ہزار انگریز اور پانچ لاکھ ہندوستانی مارے گئے۔ دہلی کا خوبصورت شہر کئی ماہ تک قتل و غارت کا میدان بنا رہا۔ جہاں کہیں کوئی دیسی نظر آجاتا اسے گولی سے اڑا دیا جاتا۔ چونکہ انگریز خاص طور پر مسلمانوں کو اپنا مدمقابل سمجھتے تھے اس لیے انگریزوں نے ان سے انتقام لینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کو بڑی تعداد میں پھانسیاں دیں۔ لاشوں کو دریا میں پھینک دیا جاتا تھا۔ دہلی میں صرف ایک دن میں 24 شہزادوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ بعض انگریز افسر بدلہ لینے میں دیوانہ ہوگئے تھے انھوں نے مسلمانوں کو سور کی کھالوں میں سی کر دریا میں پھینک دیا۔ بعض کی لاشوں کو جلوا دیا، بعض کو توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دیا۔ انگریز اور سکھ سپاہیوں نے عورتوں کی بے حرمتی اور معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد دہلی شہر سے باہر نکال دی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا صرف ایک چوتھائی حصہ شہر میں باقی رہ گیا۔

جنگ سے پہلے دہلی کے لال قلعہ کے پاس بڑی خوبصورت اور شاندار عمارتیں اور بازار تھے۔ ان سب کو گرا کر چٹیل میدان میں تبدیل کردیا گیا۔ شہر کی جامع مسجد کو بارود خانہ بنادیا گیا۔ بعض انگریزی اخباروں نے یہ بھی لکھا کہ مسجد کو گرجا بنادیا جائے۔ یہ مسجد پانچ سال کے بعد مسلمانوں کو ملی۔ یکم نومبر 1858ء کو جنگ کے خاتمے کا اعلان ہوا۔ برصغیر کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کو اقتدار سے علیحدہ کر کے براہِ راست برٹش پارلیمنٹ کو سونپ دی گئی۔

تاجِ برطانیہ کی حکومت

1857ء میں جنگ آزادی کو ناکام بنانے کے بعد حکومت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی ختم کردی۔ اس طرح تاج برطانیہ (انگلستان میں بادشاہ یا ملکہ کی حکومت) براہِ راست برصغیر پر حکومت کرنے لگی۔ اس وقت ملکہ وکٹوریہ انگلستان کی حکمران تھیں۔ ملکہ کی حکومت نے اعلان کیا کہ آئندہ برصغیر پاک و ہند کے ہر باشندے کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور اہلیت کی بنیاد پر ہر شخص سرکاری ملازمت حاصل کرسکے گا۔ عوام کے لیے دیگر بہبودی کاموں کے علاوہ برصغیر میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کا اعلان بھی کیا گیا۔ جنگ آزادی میں حصہ لینے والوں کو عام معافی دینے کا وعدہ بھی ہوا۔ لیکن انگریزوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ان اعلانات اور وعدوں پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔ مسلمانوں کے ساتھ بے انصافیوں، زیادتیوں اور ان کی حق تلفیوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

1857ء میں تاج برطانیہ کی طرف سے لارڈ کیننگ برصغیر کا پہلا وائسرائے مقرر ہوکر آئے۔ وہ چار سال تک وائسرائے رہے۔ اس دور میں برطانوی پارلیمنٹ نے برصغیر کے لیے کئی قوانین منظور کیے۔ بنگال میں ملک کی پہلی قانون ساز کونسل قائم کی گئی۔ ممبئی، چنائی اور کول کتہ میں ہائی کورٹ قائم کی گئیں۔

لارڈ کیننگ کے جانے کے بعد کئی اور وائسرائے مقرر ہوتے رہے۔ ان میں لارڈ رپن، لارڈ لینسڈاؤن اور لارڈ کرزن زیادہ مشہور ہیں۔ انھوں نے بھی وقتاً فوقتاً مختلف اصلاحات نافذ کیں اور نئے قوانین بنائے۔ شہروں میں میونسپل کمیٹیاں، ضلعوں میں ڈسٹرکٹ کونسلیں، تعلیم کی یونیورسٹیاں، زرعی ترقی کے لیے زرعی بینک اور امدادِ باہمی کی انجمنیں قائم ہوئیں۔ پولیس، محکمۂ مال اور سرحدی علاقوں کے لیے بھی اصلاحات کی گئیں۔ انتظامی سہولت اور علاقے کی ترقی کے لیے لارڈ کرزن نے صوبہ متحدہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ چونکہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور اس تقسیم سے مسلمانوں کی حالت بہتر ہونے کی امید تھی۔ اس لیے ہندوؤں نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ لہٰذا صرف چھ سال بعد ہی اس تقسیم کو ختم کرنا پڑا اس طرح تمام اصلاحات کا فائدہ صرف ہندوؤں کو ملتا رہا اور مسلمانوں کی حالت ہر میدان میں بدتر ہوتی گئی۔

1914ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی۔ اس میں جرمنی اور انگریز مخالف قومیں تھیں اور باقی ممالک ان کے الگ الگ حلیف اور اتحادی تھے۔ اس جنگ میں ترکی کی حکومت نے جرمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو انگریزوں نے بدلہ لینے کی خاطر ترکی کی خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے اور اس عظیم اسلامی ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس پر برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے ترکی کی خلافت عثمانیہ کی حمایت میں "تحریک خلافت" شروع کی۔ اس تحریک کو بہانہ بنا کر انگریزوں نے یہاں کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے دروازے کھول دیئے۔ ہزارہا مسلمانوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں، ان کی مراعات ختم کردی گئیں اور ان پر ملازمت یا کاروبار کرنے کے راستے بند کردیئے گئے۔

مایوسی اور بددلی کے اس دور میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی سیاسی تحریکوں کا ساتھ دیا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح انگریز کی غلامی سے نجات ملے، لیکن حسب عادت ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ ہر جگہ دھوکا کیا۔ دراصل ہندو چاہتے تھے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد تمام برصغیر کی حکومت ان ہی کو ملے۔ انگریزوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہوکر مسلمان رہنماؤں نے اپنی الگ تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ وجود میں آئی۔

برصغیر کی ہندو سیاسی جماعت کانگریس اور مسلم سیاسی جماعت مسلم لیگ کے مطالبوں پر تاج برطانیہ نے 1935ء کا مشہور قانون ہند منظور کیا۔ مسلمانوں کو اس قانون کی رو سے ان کی آبادی کے تناسب کی بنیاد پر مرکزی اور صوبائی قانون ساز اداروں، وزارتوں، ملازمتوں اور دوسرے خودمختار اداروں میں نمائندگی ملنے کا اعلان ہوا۔ چند اہم محکموں کے علاوہ باقی امور صوبوں کے سپرد ہوئے۔ سندھ کو صوبہ بمبئی سے الگ کرکے علیحدہ صوبہ بنایا گیا۔ برصغیر میں تاج برطانیہ کا نمائندہ گورنر جنرل موسوم ہوا۔ اسی قانون کی رو سے 1937ء میں ملک بھر میں عام انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں حاصل کردہ ووٹوں

کی اکثریت کی بنیاد پر صوبوں میں کانگریس یا مسلم لیگ کی وزارتیں بنیں۔

1939ء میں دوسری عالی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں بھی انگریز اور جرمن مخالف قوتیں تھیں۔ جنگ کے اولین سالوں میں جرمنی نے یورپ اور انگلستان میں انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو بے پناہ جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ انگریز سخت مصیبت میں تھے۔ انھیں برصغیر جیسے بڑے ملک کی حمایت کی سخت ضرورت تھی۔ دوسری طرف برصغیر کی سیاسی پارٹیوں نے بھی اپنے اپنے مطالبات پر زور دینا شروع کیا۔ اس طرح انگریزوں نے حمایت ملنے کی شرط کے ساتھ جنگ ختم ہونے کے بعد برصغیر کو آزادی دینے کا وعدہ کیا۔

اس سلسلے میں فریقین کے مختلف وفود کے درمیان لندن، دہلی اور شملہ میں وقفے وقفے سے تبادلہ خیالات ہوتے رہے، تاکہ برصغیر کو قطعی آزادی دلوانے سے متعلق امور کو طے کرنے کے لئے تاجِ برطانیہ نے 1946ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر بھیجا۔ ملک کی تقسیم سے متعلق بے شمار معاملات کو طے کرنے کی خاطر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مسلمان اور ہندو راہنماؤں کی ملاقاتیں اور گفت وشنید کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار 14 اگست 1947ء کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ایک حصہ ہندوؤں کا ملک بھارت اور دوسرا مسلمانوں کا ملک پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

دو قومی نظریہ

نظریہ کا مفہوم اندازِ فکر اور تصورِ حیات سے ہے۔ ہر قوم کا اپنا نظریہ ہوتا ہے جو اس کے عقائد اور روایات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس نظریے کی بدولت ہی قومی زندگی کا نظام وجود میں آتا ہے۔ پاکستان کے قیام کے پس منظر میں دو قومی نظریہ کا ایک مخصوص مفہوم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ برصغیر میں دو بڑی قومیں، مسلمان اور ہندو آباد ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں قومیں صدیوں تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، لیکن آپس میں گھل مل نہ سکیں۔ اس کی وجہ دونوں قوموں کے دین، مذہب، تہذیب وتمدن اور روایات واقدار میں زبردست اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ سیاسی واقعات اور ہندوستان میں نسلی فسادات سے ثابت ہوگیا ہے کہ یہ دونوں قومیں کبھی اکھٹی نہیں رہ سکتیں۔

اس واضح اختلاف کو ماضی میں کئی مفکروں نے محسوس کیا۔ مثلاً آج سے تقریباً ایک سال قبل ابوریحان البیرونی نے ''کتاب الہند'' میں ہندو مسلم اختلاف کے بارے میں لکھا۔ اس کے بعد آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر علی گڑھ کالج کے انگریز پروفیسر آوچ بولڈ نے اپنی کتاب میں ہندوستان میں آباد مختلف قومیتوں کے اختلاف کی بنا پر یہاں واحد قومیت کے نظریہ کو غلط قرار دیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف مسلم اور غیر مسلم مفکروں نے ان اقوام کا ہندوستان میں اکٹھا رہنا ناممکن خیال کیا۔ خاص طور پر مشہور ہندو متعصب لیڈر راج گوپال اچاریہ نے دریائے سندھ کے مغرب میں الگ مسلمان ریاست قائم کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ آج سے ہزاروں سال قبل کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوگا کہ موجودہ پاکستان کے علاقے کبھی بھی متحدہ ہندوستانی حکومت کا حصہ نہیں رہے ماسوائے چند ایک عظیم حکمرانوں کے دور میں۔ یہ تمام علاقے زیادہ تر عظیم ایرانی حکومت کا حصہ رہے۔ اس علاقے کے لوگوں کا رہن سہن، رسوم ورواج، لباس، زبان بجائے ہندوستانی

ہونے کے مغربی تاثر لئے ہوئے تھے۔ جس سے ان کا غیر ہندوستانی ہونا ثابت ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کی حکمرانی ختم ہونے کے بعد۔ ہندوستان کی تاریخ میں تقریباً ایک سو چھوٹی بڑی دو قومی نظریاتی اسکیمیں سامنے آئیں۔ جن میں واضح ترین علامہ اقبالؒ کا خطبہ الہ آباد ہے جس میں انہوں نے مخصوص علاقوں پر مشتمل علیحدہ مسلمان ریاست قائم کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ دو قومی نظریہ کے تمام خالق ہندو مسلمان اتحاد کے بنیادی طور پر داعی تھے، لیکن ہندوؤں کی نسل پرستانہ ذہنیت نے انہیں مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے الگ تشخص کو قائم کرنے کیلئے نشانِ اول کی نشان دہی کریں۔ بلاشبہ پاکستان کی پہلی اینٹ سرسید احمد خان نے رکھی۔ وہ پہلے مسلمان سیاسی رہنما تھے جنھوں نے مسلمانوں کے لئے ''قوم'' کا لفظ استعمال کیا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان خاص طور پر انگریزوں کے مظالم کا نشانہ بنے اور پھر ہندوؤں نے انگریزوں سے ساز باز کرلی۔ اس طرح مسلمان سیاست، تعلیم و تجارت اور ہر شعبہ زندگی میں ہندوؤں سے پیچھے رہ گئے۔ ان حالات میں سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی بحالی کا اہم کام سرانجام دیا۔ انہیں تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

برصغیر کے دوسرے مسلمان رہنماؤں مولوی نذیر احمد، مولانا حالی، مولانا شبلی، خیری برادران، مولانا ظفر علی خان، سید امیر علی، نواب عبداللطیف، سلیم اللہ خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور سب سے بڑھ کر علامہ اقبالؒ نے اپنی ولولہ انگیز شاعری اور تحریروں سے مسلمانوں کو علیحدہ تشخص کا پیغام دیا۔

مسلمانوں کے لئے یہ نہایت مصیبت کا دور تھا۔ قائداعظم اس نازک دور میں مسلمانوں کے لئے ایک عظیم رہنما بن کر ابھرے۔ انہوں نے تمام مفکرین کی کوششوں کو صحیح اور ایک سمت کی جانب موڑ دیا۔ انہوں نے اولاً ہندو مسلم اتحاد، ثانیاً مسلم اتحاد اور ثالثاً مسلم اتحاد بمقابلہ ہندو اور انگریز' جدوجہد کی۔ ان کے بیانات اور سرسید کے ارشادات میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ جس کا سبب ان حالات میں یکساں اور صحیح سوچ کی نشان دہی ہے۔

قائداعظم نے نہرو کے اس دعویٰ کے جواب میں کہ ہندوستان میں صرف دو اقوام ہیں ہندو اور انگریز' یہ فرمایا کہ ہندوستان میں ایک تیسری قوم بھی آباد ہے جو مسلمان ہیں''۔ آپ نے کمال ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا کر مسلمانوں کے لئے ایک الگ ریاست قائم کی۔

مسلم لیگ کا قیام 1906ء

مسلم لیگ کے قیام سے پہلے پاک و ہند کی واحد سیاسی پارٹی کانگریس تھی جو 1885ء میں قائم ہوئی تھی۔ کانگریس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہندوستان کی تمام اقوام کی نمائندہ جماعت ہے اور وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ لیکن مسلمانوں پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ کانگریس درحقیقت ہندو اقتدار کو عروج پر لانا چاہتی تھی۔

نواب محسن الملک　　نواب سلیم اللہ خان　　نواب وقار الملک

1905ء میں حکومت برطانیہ نے بنگال کے صوبے کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ اس فیصلے کے تحت ایک نیا صوبہ مشرقی بنگال اور آسام وجود میں آیا' جس کا صدر مقام ڈھاکہ تھا۔ چونکہ نئے صوبے میں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی، اس لئے وہ بہت خوش تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی بنگال اب زیادہ دیر تک پسماندہ علاقہ نہیں رہ سکتا اور یہ علاقہ بھی بنگال کے دوسرے علاقوں کی طرح ترقی کرے گا۔ لیکن جونہی تقسیم کا اعلان کیا گیا' ہندوؤں نے اس کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا اور تقسیم کو ختم کرنے کے لئے پورا زور لگا دیا۔ انہوں نے ایک منظم تحریک چلائی جسے کانگریس کی حمایت حاصل تھی۔ آخر کار 1911ء میں حکومت نے یہ تقسیم ختم کر دی اور بنگال کو دوبارہ ایک صوبہ بنا دیا۔

مسلمان اب یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی راستے ایک نہیں ہیں اور اگر ان کو اپنا علیحدہ وجود تسلیم کروانا ہے تو ان کی اپنی ایک علیحدہ جماعت ہونی چاہیے جو انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکے اور مسلمانوں کے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کر سکے۔

دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں مسلم ایجوکیشن کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس کانفرنس کی بنیاد سر سید احمد خان نے رکھی تھی اور اس کا مرکزی دفتر علی گڑھ تھا۔ اس کے سالانہ اجلاس پاک و ہند کے مختلف شہروں میں ہوتے رہتے تھے۔ ڈھاکہ کے اجلاس میں مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور اس کے پہلے صدر آغا خان مقرر ہوئے۔ مسلم لیگ کے بانیوں میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک اور نواب سلیم اللہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

میثاقِ لکھنؤ 1916ء

قائداعظمؒ 1905ء میں کانگریس کے ممبر بنے اور اس کے چوٹی لیڈروں میں شمار ہونے لگے۔ 1913ء میں کانگریس نے انھیں ایک خاص مشن پر انگلستان بھیجا۔ وہاں مولانا محمد علی اور سید وزیر حسن کے کہنے پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اگلے سات سال تک وہ دونوں جماعتوں سے وابستہ رہے۔ 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے اور دونوں کے درمیان ایک سمجھوتہ عمل میں آیا جو "میثاق لکھنؤ" کہلاتا ہے۔ اس سمجھوتے میں کانگریس

نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے اصول کو منظور کرلیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں جتنے انتخابات ہوئے وہ اسی اصول کے تحت ہوئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس معاہدے کے ذریعے قریب لانے کا سہرا قائداعظمؒ کے سر ہے۔

قائداعظم کے چودہ نکات

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد کی فضا قائم کرنے اور ان میں ایک دیرپا سمجھوتہ کروانے کے لیے چند سیاسی لیڈروں نے جن میں قائداعظم محمد علی جناحؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، کچھ تجاویز پیش کیں۔ لہٰذا 1928ء میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے نتیجے میں ایک کمیٹی بنائی گئی، جو 9 ممبروں پر مشتمل تھی۔ اس کے صدر موتی لعل نہرو تھے۔ اس کمیٹی نے ایک رپورٹ تیار کی جسے عام طور سے نہرو رپورٹ کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں مسلمانوں کی کوئی تجویز نہیں مانی گئی تھی چنانچہ 1929ء کے شروع میں قائداعظم نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے نئے مطالبات پیش کیے۔ یہ مطالبات قائداعظم کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہیں۔ ان نکات کا خلاصہ یہ ہے:

(1) حکومت کا سیاسی نظام وفاقی طرز پر ہو جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری حاصل ہو۔

(2) تمام صوبوں کو اپنے امور میں مساویانہ اور ایک ہی قسم کے اختیارات حاصل ہوں۔

(3) وفاقی اور صوبائی مجالس قانون سازی کے علاوہ دیگر منتخب اداروں میں بھی اقلیتی فرقوں کو ان کی تعداد کے مطابق نمائندگی دی جائے۔

(4) وفاقی مجلس قانون ساز میں مسلمان نمائندوں کی تعداد ایک تہائی سے ہرگز کم نہ ہو۔

(5) ہر فرقے کے لیے جداگانہ انتخاب کا اصول اختیار کیا جائے۔

(6) صوبوں کی حدود میں کوئی تبدیلی کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت پر کوئی اثر نہ پڑے۔

(7) تمام فرقوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو۔

(8) کسی فرقے سے متعلق کوئی قانون بنانا ہو تو متعلقہ فرقے کے کم از کم تین چوتھائی نمائندوں سے اس کی منظوری حاصل کی جائے۔

(9) سندھ کو صوبہ ممبئی (بمبئی) سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

(10) ملک کے دوسرے صوبوں کی طرح صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں بھی آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

(11) مسلمانوں کو ان کی اہلیت کی بنیاد پر تمام ملازمتوں میں حصہ دینے کی آئینی طور پر ضمانت دی جائے۔

(12) مسلمانوں کو آئینی طور پر مذہبی اور ثقافتی تحفظ مہیا کیا جائے۔

(13) وفاقی اور صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کو ایک تہائی حصہ دیا جائے۔

(14) تمام صوبوں کی منظوری حاصل کیے بغیر وفاقی آئین میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔

علامہ اقبالؒ

خطبہ الٰہ آباد

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی طرح علامہ اقبالؒ بھی برصغیر کے مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما تھے۔ انھیں بھی مسلمانوں کے مستقبل کی بڑی فکر تھی۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق اور ان کی بہتری کی فکر کرتے رہتے۔ ایک بلند پایہ قومی شاعر کے علاوہ وہ ایک بہترین سیاستدان بھی تھے۔ علامہ اقبالؒ نے برصغیر پاک و ہند کے سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور سماجی حالات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے غلبہ سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

مسلمانوں کو اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے آپ نے اپنے خیالات کا اظہار الٰہ آباد میں کیا۔ 1930ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں علامہ اقبالؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اپنے خطبہ میں علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا:

''میری خواہش ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبے، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک علیٰحدہ مملکت بنا دیا جائے۔ ہندوستان کے شمال و مغرب میں مسلمانوں کی متحدہ مملکت کم از کم شمال و مغربی ہند میں مجھے مسلمانوں کی قسمت کا آخری فیصلہ نظر آتی ہے''۔

علامہ اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد میں مملکت پاکستان کا تصور پیش ہوا ہے۔ انھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے مذہب اسلام پر سختی سے عمل کریں تاکہ انھیں نجات حاصل ہو سکے۔

الٰہ آباد کے مقام پر اس تاریخی خطاب کے بعد علامہ اقبالؒ صرف آٹھ سال تک زندہ رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے اپنی شاعری، تقاریر اور ذاتی خط و کتابت کے ذریعے مسلمانوں کی علیٰحدہ مملکت کے لیے زبردست جدوجہد کی اور ان کو ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ابھارا۔

مسلم لیگ کی تنظیم نو

برطانوی حکومت نے 1935ء میں ہندوستان کے لیے ایک نیا دستوری قانون نافذ کیا تھا جسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کہتے ہیں۔ اس قانون کے تحت، 1937ء میں انتخابات ہوئے تھے۔ ان انتخابات کے نتیجے میں برصغیر کے ہندو اکثریت والے صوبوں میں کانگریسی وزارتیں بنی تھیں جنھوں نے مسلمانوں پر بہت ظلم و ستم کیے۔ تجارتی، ثقافتی، مذہبی، تعلیمی میدانوں اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی ناانصافیاں کی گئیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے

جائز حقوق کو ہر جگہ کھلم کھلا پامال کیا۔ اپنے قومی گیت "بندے ماترم" کو مسلمانوں کی تعلیمی درسگاہوں میں بھی نافذ کیا۔

ہندوؤں کی ان زیادتیوں اور ناانصافیوں کی وجہ سے مسلمان بہت بددل ہوگئے۔ انھیں شدت سے احساس ہونے لگا کہ ہندو مسلمانوں کو ہر لحاظ سے بالکل ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ مسلمان رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو متحد کرکے ان کی ایک فعال جماعت بنائی جائے تاکہ ان کے مذہبی اور دیگر حقوق کی حفاظت ہوسکے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے قائداعظم نے جدوجہد شروع کردی اور مسلم لیگ کی ازسرنو تنظیم اس طرح کی کہ یہ جماعت برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی۔ چند ہی سالوں میں مسلم لیگ ایک موثر اور نہایت مضبوط جماعت بن گئی۔

ہندوؤں کی کانگریس پارٹی نے مسلم لیگ کو کمزور کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے اور چالیں استعمال کیں۔ انھوں نے بعض مسلمان رہنماؤں کو مسلم لیگ سے قطع تعلق کرنے کے لیے بڑے لالچ دیئے۔ لیکن مسلمانوں کی یہ جماعت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی اور آخر کار مسلم لیگ نے پاکستان حاصل کر ہی لیا۔

کانگریسی وزارتیں 1937ء

1937ء میں نئے قانون کے تحت انتخابات ہوئے۔ کانگریس کو سات صوبوں میں کامیابی حاصل ہوئی، جہاں کانگریسی وزارتیں بنیں۔ انھوں نے ان وزارتوں میں مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ نہ لیا۔ کانگریس کے رہنماؤں نے اعلان کیا کہ جو مسلمان وزیر بننا چاہتے ہیں، انھیں چاہیے کہ اپنی پارٹی سے مستعفی ہوکر کانگریس میں شریک ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کانگریس کے علاوہ تمام پارٹیوں کا وجود مٹا دیا جائے۔

اقتدار ہاتھ میں آتے ہی کانگریسی وزارتوں نے ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کردیا۔ اردو زبان کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کردی۔ اگرچہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان تھی مگر گاندھی کو اس سے چڑ تھی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ مسلمان اس کو رکھیں یا نہ رکھیں، یہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔

"بندے ماترم" کو قومی گیت قرار دیا۔ اس گیت کے ایک ایک لفظ سے مسلم دشمنی ٹپکتی تھی۔ اسکولوں میں بچوں کو مسٹر گاندھی کی تصویر کو ہاتھ جوڑ کر سلام کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ بعض اسکولوں میں مورتی کی پوجا بھی کی جانے لگی۔ مسلمانوں کے لیے باعزت زندگی گزارنا مشکل ہوگیا۔ مسلمانوں کو ظالم، غاصب اور غلیظ قرار دیا جاتا۔ مساجد کے سامنے نماز کے اوقات میں بینڈ باجے سمیت جلوس نکالے جاتے۔ اس کے علاوہ مساجد میں مسلمانوں پر منظم حملے، اذان پر پابندی، گائے کی قربانی کی ممانعت اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے قصور پر خوفناک سزائیں کانگریسی حکومتوں کے روزمرہ کے کارنامے تھے۔

1939ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ انگریزوں کو اس وقت برصغیر کے لوگوں کی امداد کی بڑی ضرورت تھی۔

کانگریس نے اس موقع کو غنیمت جان کر انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر کے حکومت ان کے حوالے کر دے۔ جب حکومت نے یہ مطالبہ رد کر دیا تو کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا۔ مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور 22 دسمبر 1939ء کو یومِ نجات منایا۔ اس روز جمعہ تھا اور مسلمانوں نے ملک کے طول و عرض میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے انھیں ایک ایسی حکومت سے نجات دلائی جس کے دورِ حکومت میں ان کے لیے باعزت زندگی گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔
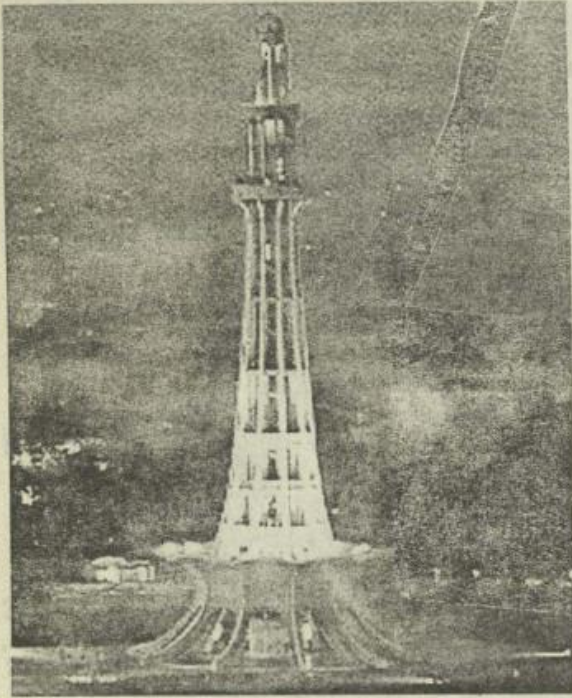
قراردادِ پاکستان 23 مارچ 1940ء

مارچ 1940ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منٹو پارک لاہور (جس کا نام بعد میں اقبال پارک رکھا گیا) میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظمؒ نے کی۔ قائداعظمؒ نے اپنی تقریر میں کہا کہ "ہندو اور مسلمان دو علیٰحدہ قومیں ہیں۔ وہ کبھی بھی ایک قوم نہیں بن سکتے۔ اب صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ برصغیر کو تقسیم کر دیا جائے اور وہ علاقے جن میں اکثریت میں ہیں ان کے حوالے کر دیئے جائیں تاکہ وہاں ایک خودمختار حکومت قائم کی جائے"۔

مینارِ پاکستان

قائداعظمؒ کی تقریر کے اگلے روز یعنی 23 مارچ کو بنگال کے وزیرِ اعلیٰ مولوی فضل الحق نے وہ اہم قرارداد پیش کی جو قراردادِ لاہور یا قراردادِ پاکستان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس قرارداد کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے ان شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں، ہندوستان سے علیٰحدہ کر کے ایک خودمختار مملکت قائم کی جائے۔ جونہی یہ قرارداد پاس ہوئی، ہندو لیڈروں اور اخبارات نے شور مچانا شروع کر دیا۔ وہ مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی کا طعنہ دیتے۔ مسلم لیگ کو زمینداروں اور دولت مند لوگوں کی جماعت بتاتے اور کبھی قائداعظمؒ کے متعلق ہتک آمیز جملے استعمال کرتے۔ خود مسٹر گاندھی کا کہنا تھا کہ پاکستان بنانا تو ایسا ہے جیسے کسی گائے کے دو ٹکڑے کر دینا۔

1940ء میں دوسری عالمی جنگ نے بہت زور پکڑا۔ جاپانیوں نے جنوب مشرقی ایشیا میں بہت سے ملک فتح کر لیے اور وہ مائنمار (برما) کو فتح کر کے آسام تک پہنچ گئے۔ جب جنگ برصغیر کے دروازے پر پہنچی تو کانگریسی رہنماؤں نے انگریزوں پر زور دینا شروع کر دیا کہ برصغیر کی حکومت ہمارے حوالے کر دو۔ ہم خود دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

اعلانِ آزادی

فروری 1947ء میں برطانوی وزیرِاعظم نے اعلان کیا کہ ہندوستان کو ایک سال کے اندر اندر آزاد کر دیا جائے گا۔ اسی اعلان میں لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر دیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس

اور لیگ کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ کانگریس نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ پیش کر کے پاکستان کے اصول کو عملی طور پر مان لیا۔ 3 جون 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے ریڈیو پر وہ اہم اعلان کیا جو تین جون کا منصوبہ ماؤنٹ بیٹن کہلاتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت 14 اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آیا۔

ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کا تعین کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر ہوا جس کا صدر ایک انگریز قانون دان ریڈ کلف تھا۔ اس نے بڑی ناانصافی سے بعض ایسے علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ہندوستان میں شامل کر دیئے مثلاً گورداسپور کا ضلع جو مسلم اکثریت کا ضلع تھا، ہندوستان کے ساتھ ملا دیا گیا جس سے اس کی فوجوں کو کشمیر میں داخل ہونے کا راستہ مل گیا۔ صوبہ سرحد اور مشرق میں سلہٹ کے علاقوں میں عام رائے شماری کرائی گئی۔ وہاں کے عوام نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔

قیام پاکستان

ابتدائی مشکلات

قائداعظم محمد علی جناحؒ

14 اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آیا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ ملک کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ کراچی پاکستان کا دارالحکومت قرار پایا۔ شہر کی چند پرانی عمارتوں میں سرکاری دفاتر قائم کئے گئے۔ کاغذ، قلم اور دوات جیسی معمولی لیکن ضروری چیزیں بھی پوری طرح دستیاب نہیں تھیں۔ پاکستان کو آنے والے سرکاری افسر اور ملازمین میں سے بہت سے ابھی بھارت میں پھنسے ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں نے بھارت میں مسلمان آبادی کے علاقوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو بچانے کی خاطر پانچ ملین مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ پاکستان سے غیر مسلموں کے چلے جانے سے صنعت و تجارت کا کام درہم برہم ہوگیا۔ ڈاکٹروں اور استادوں کی بھی کمی تھی۔ ان تمام مشکلات پر قابو پانے کے لیے قوم نے جس جذبے اور جوش سے کام لیا وہ ہماری تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔

قائداعظمؒ کی وفات 11 ستمبر 1948ء

ابھی پاکستان کو قائم ہوئے ایک سال ہی گزرا تھا کہ 11 ستمبر 1948ء کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ وفات پا گئے۔ وہ صرف پاکستان کے سربراہ ہی نہیں تھے بلکہ صحیح معنوں میں بابائے قوم بھی تھے۔

قائداعظمؒ کی وفات کے بعد پاکستان میں کئی سیاسی تبدیلیاں آئیں۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں نے اسے ہر ممکن

طریقے سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ان دشمنیوں اور سازشوں کے نتیجے میں 1971ء میں مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوگیا جس سے پاکستان کی سیاسی طاقت کو شدید جھٹکا لگا لیکن پاکستانیوں نے ہمت نہ ہاری۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور پاکستانی عوام کی کوششوں سے اب پاکستان اس قدر مضبوط بن چکا ہے کہ اسلامی ممالک اسے ''اسلام کا مضبوط قلعہ'' سمجھتے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان کا شمار دنیا کی صف اول کی اقوام میں ہونے لگے گا۔

مشق

(الف)

1. دو قومی نظریہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
2. پاکستان کے حصول کا بڑا مقصد کیا ہے؟
3. کیا وہ مقاصد حاصل ہوگئے ہیں جن کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا؟
4. 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان کن مصائب سے دوچار ہوئے؟
5. سرسید کی تعلیمی اور سیاسی خدمات کا ذکر کیجیے۔
6. قائداعظمؒ کے چودہ نکات کی کیا اہمیت ہے؟
7. علامہ اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
8. قراردادِ پاکستان کی اہمیت بیان کیجیے۔
9. ہندوؤں کی متعصّبانہ کارروائیوں کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) خالی جگہ پر کیجیے۔

(i) .... سے مراد وہ نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا۔

(ii) 1857ء سے .... تک کا عہد مسلمانوں کے لیے زبردست آزمائشوں، قربانیوں اور .... کا زمانہ تھا۔

(iii) پہلی جنگ عظیم .... ء میں ہوئی۔

(iv) مسلم لیگ کا قیام .... میں عمل میں آیا۔

(v) قائداعظمؒ کا انتقال 11 ستمبر .... ء میں ہوا۔

(ج) درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے۔

(i) جنگ آزادی 1857ء کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔

(ii) علامہ اقبالؒ نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے قوم کا لفظ استعمال کیا۔

(iii) قائداعظمؒ نے مسلمانوں کے متعلق چودہ نکات پیش کیے۔

(iv) 23 مارچ 1947ء کو قرارداد پاکستان پیش کی گئی۔

سرگرمیاں

(۱) تحریک پاکستان کے رہنماؤں کی تصاویر جمع کریں۔

(۲) اپنے اسکول میں جشن آزادی کا پروگرام ترتیب دیجیے۔

اقوامِ متّحدہ

جنگ کی تباہ کاریوں کو کون نہیں جانتا۔ دوسری عالمی جنگ 45-1939ء کے درمیانی عرصے میں لڑی گئی۔ اس جنگ کے خوفناک نتائج کو دیکھ کر جنگ کے دوران ہی امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور دوسرے بہت سے ممالک کے لیڈروں نے آئندہ جنگ نہ کرنے اور مستقل امن قائم رکھنے کے لیے صلاح مشورے شروع کر دیئے۔ اس گفت وشنید کا نتیجہ یہ نکلا کہ متفقہ رائے سے 24 اکتوبر 1945ء کو انجمن اقوام متحدہ کے نام سے ایک عالمی ادارہ قائم ہوا۔ اس ادارے کو عام طور پر ہم .U.N یعنی یونائیٹڈ نیشنز (United Nations) کے نام سے جانتے ہیں۔ ابتدا میں سان فرانسسکو (امریکہ) کے مقام پر اس ادارے کے منشور پر 51 ممالک نے دستخط کیے مگر آج اس ادارے کے ممبران کی تعداد 191 ہو چکی ہے۔ اس کا صدر مقام ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مشہور شہر نیویارک میں ہے۔ اس ادارے کا اجلاس عام طور پر سال میں صرف ایک بار ستمبر کے مہینے میں منعقد ہوتا ہے۔ ہنگامی حالت میں اراکین کی مرضی سے خصوصی اجلاس بھی منعقد کیا جاسکتا

ہے۔ اجلاس میں شرکت کے لیے ہر ممبر ملک کے زیادہ سے زیادہ پانچ افراد پر مشتمل وفد بھیجا جاسکتا ہے۔ لیکن کسی رائے شماری کے وقت ہر بڑا یا چھوٹا ملک صرف ایک ووٹ دینے کا مجاز ہوتا ہے۔ ہر اجلاس کے صدر ممبر ممالک میں سے حروف تہجی کے مطابق منتخب ہوتا ہے۔

اقوام متّحدہ کے اغراض و مقاصد

چونکہ اقوام متّحدہ کا قیام ہی اس مقصد سے ہوا کہ جنگ کے امکانات ختم ہوں اور عالمی امن قائم ہو اس لیے اقوام

متحدہ کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

1. بین الاقوامی امن و سلامتی قائم رکھنا۔
2. اقوام عالم میں مساوی حقوق اور آزادی کی بنیادوں پر دوستی اور بھائی چارے کے تعلقات پیدا کرنا۔
3. بین الاقوامی معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور تعلیمی و دیگر انسانی مسائل کو حل کرنے میں مدد کرنا۔
4. مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کیلئے مختلف اقوام اور اداروں کی سرگرمیوں میں ہم آہنگی اور رابطہ پیدا کرنا۔

اقوام متحدہ کے مندرجہ ذیل شعبے بہت اہم ہیں:

(1) جنرل اسمبلی (2) سلامتی کونسل (3) سیکریٹریٹ (4) بین الاقوامی عدالت انصاف
(5) اقتصادی اور معاشرتی کونسل (6) تولیتی کونسل۔

1. جنرل اسمبلی (General Assembly)

اقوام متحدہ کے سب سے اہم اور افضل شعبے کا نام جنرل اسمبلی ہے۔ اقوام متحدہ کے تمام ممبران جنرل اسمبلی کے رکن ہیں۔ جنرل اسمبلی کا اجلاس سال میں کم از کم ایک بار ہوتا ہے۔ یہاں دنیا کے جملہ مسائل پر گفت و شنید ہوتی ہے۔ ہر ممبر ملک کو پورا حق ہے کہ وہ اپنا نقطۂ نظر پیش کرے اور تمام مسائل کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ تجاویز کی منظوری کثرتِ رائے سے ہوتی ہے۔ اقوام متحدہ کے فرائض سرانجام دینے کے لیے تمام قانون اور طریقۂ کار جنرل اسمبلی بناتی ہے۔ اقوام متحدہ کا مالی نظام اسی کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔

2. سلامتی کونسل (Security Council)

جنگ روکنے اور عالمی امن قائم رکھنے میں سلامتی کونسل کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اقوام عالم کے مابین سرحدی تنازعات اور جنگ و جدل روکنے کے لیے یہ ادارہ ہر وقت گفت و شنید کا انتظام کرتا ہے۔ سلامتی کونسل میں تمام کارروائی جنرل اسمبلی کی ہدایات کے مطابق ہوتی ہے۔

سلامتی کونسل کے پندرہ اراکین ہیں۔ ان میں پانچ بڑے ممالک مثلاً ریاست ہائے متحدہ امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ اور چین ہیں۔ یہ ممالک اس کے مستقل رکن ہیں۔ باقی دس اراکینِ ممالک کی رکنیت دو دو سال کے لیے ہوتی ہے۔ سلامتی کونسل کے پانچوں مستقل اراکین کو حق تنسیخ (Veto Power) حاصل ہے۔ اس حق کی بناء پر اگر کوئی مستقل رکن کسی عالمی تنازعے کے تجویز شدہ حل پر راضی نہ ہو تو اس تجویز پر مزید گفت و شنید اور کارروائی نہیں ہو سکتی۔

3. سیکریٹریٹ (Secretariat)

اقوام متحدہ کے روزمرہ کام کو چلانے کے لیے نیویارک میں ایک صدر دفتر قائم کیا گیا ہے۔ اس صدر دفتر کو سیکریٹریٹ کہتے ہیں۔ سیکریٹریٹ کے افسرِ اعلیٰ کو سیکریٹری جنرل کہا جاتا ہے، جس کو جنرل اسمبلی پانچ سال کے لیے منتخب

کرتی ہے۔ سیکریٹریٹ کا تمام عملہ اور ماہرین ممبر ممالک سے قابلیت کی بناء پر لیے جاتے ہیں۔ سب ملازمین اور ماہرین نہایت غیر جانبداری سے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

4. بین الاقوامی عدالت انصاف (International Court of Justice)

اگر دو ملکوں کے درمیان کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اس عدالت میں ہو سکتا ہے۔ یہ عدالت اقوامِ متحدہ کا سب سے بڑا قانونی ادارہ ہے۔ یہ عالمی عدالت ہالینڈ کے شہر ہیگ میں واقع ہے۔ یہ عدالت پندرہ ججوں پر مشتمل ہے۔ ان ججوں کا انتخاب جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کرتی ہیں۔ ہر جج کی مدت ملازمت نو سال تک ہوتی ہے۔ اگر کوئی جج خود رضا مند ہو تو دوسری بار بھی منتخب ہو سکتا ہے۔ اس عدالت کا کام بین الاقوامی تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ہے۔ فریق ممالک کے دلائل سننے کے بعد یہ عدالت اپنا فیصلہ دیتی ہے اور اس طرح قانون کے مطابق پر امن طریقے سے فیصلہ دینے سے لڑائی جھگڑوں کی روک تھام ہو جاتی ہے۔ اس عدالت کے فیصلوں کی ملکی عدالتوں کے فیصلوں کی طرح اگرچہ پابندی لازمی نہیں تاہم فریقین ان کا احترام کرتے ہیں۔

5. اقتصادی اور معاشرتی کونسل (Economic and Social Council)

ممبر ممالک کی ترقی میں یہ شعبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے جملہ اراکین کی تعداد 54 ہے۔ اس کی ذمہ داری اقتصادی، سماجی، ثقافتی میدانوں میں اور انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر کام کرنے میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور اس کے علاوہ رکن ممالک کی ترقی میں مدد کرنا ہے۔ اس شعبے کا کام اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ بین الاقوامی سطح پر باہمی تعاون اور بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے اور لوگوں میں ایثار، قربانی اور نیک نیتی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

6. تولیتی کونسل (Trusteeship Council)

یہ ادارہ ایسے متنازعہ علاقوں کی نگرانی کرتا ہے جو وقتی طور پر اقوامِ متحدہ کی تحویل میں ہوں۔ ایسے متنازعہ علاقوں کا انتظام چلانے کے لیے اقوامِ متحدہ اپنے کسی ایسے رکن کو مقرر کرتی ہے جو غیر جانبدار ہو۔ ایسے متنازعہ علاقے کا کوئی حتمی فیصلہ ہونے تک نگران ملک اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ اقوامِ متحدہ کے طے شدہ فیصلوں کے مطابق اس علاقے کا انتظام چلائے۔ تولیتی کونسل گاہے بگاہے ایسے علاقوں کا معائنہ کرتی رہتی ہے کہ اس امر کا ثبوت مل سکے کہ اس علاقے کا انتظام طے شدہ اصولوں کے مطابق کیا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا اہم شعبوں کے علاوہ اقوامِ متحدہ کی چند ایجنسیاں بھی ہیں جن کے ذمے مخصوص فرائض ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(الف) اقوامِ متحدہ کا بچوں کا بین الاقوامی فنڈ (UNICEF)

یہ ادارہ تیسری دنیا کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے فرائض میں رکن ممالک کے بچوں کی خوراک، صحت، تعلیم اور

رہائش کا خیال رکھنا ہے۔ جنگ، زلزلوں، سیلابوں اور قحط سالی کی وجہ سے بہت سے بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ بہت سے بچے وبائی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں بچوں کی صحت، غذا اور تعلیم کا بندوبست اس ادارے کی ذمہ داری ہے۔ یہ ادارہ غریب بچوں کو ادویات، دودھ اور پنیر بھی مہیا کرتا ہے۔

(ب) اقوامِ متّحدہ کی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم (UNESCO)

اس ادارے کا صدر دفتر فرانس کے شہر پیرس میں ہے۔ ترقی پذیر اور پسماندہ رکن ممالک اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے ممالک کو یہ ادارہ سامان سائنسی و تعلیم، کتابیں اور دوسری معلومات بہم پہنچاتا ہے۔

(ج) عالمی ادارۂ خوراک و زراعت (F.A.O.)

آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے خوراک کی اشد کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے خوراک کی حالت کو بہتر بنانا ضروری ہے۔ یہ ادارہ مختلف ممالک میں غذائی پیداوار بڑھانے، جنگلات اور دوسری اشیاء کی افزائش کے لیے مشورے اور مدد دیتا ہے۔ اس کا صدر دفتر اٹلی کے شہر روم میں ہے۔

(د) عالمی ادارۂ صحت (W.H.O.)

اس ادارے کا صدر دفتر سوئٹزر لینڈ کے شہر جنیوا میں ہے۔ یہ ادارہ تیسری دنیا اور دوسرے پسماندہ اور غریب ممالک کو طبی امداد فراہم کرتا ہے اور مختلف بیماریوں کی روک تھام میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہے۔

(ہ) بین الاقوامی ادارۂ محنت (I.L.O.)

کسی ملک کی ترقی کا دارومدار وہاں کے محنت کشوں کی حالت پر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ادارہ دنیا بھر کے محنت کشوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے مختلف ممالک کو تجاویز اور مدد دیتا ہے۔

(و) عالمی بینک (World Bank)

پسماندہ اور غریب ممالک کی ترقی میں یہ ادارہ اہم خدمات سرانجام دیتا ہے۔ بین الاقوامی اقتصادی نظام میں اس ادارے کو بڑا دخل حاصل ہے۔ غریب ممالک کو قرض مہیا کر کے یہ ان کی ترقی میں معاون ہوتا ہے۔

اقوامِ متّحدہ کی کارکردگی

اقوامِ متّحدہ کے قیام کا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت تھا۔ اس نے عالم انسانیت کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے جس کے ذریعے ہر چھوٹا بڑا، امیر غریب، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملک بین الاقوامی مسائل پر آزادانہ ماحول میں برابری کے تصور کے ساتھ تبادلۂ خیال کر سکتا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کا اظہار بھی کر سکتا ہے۔ اس میں مادی ذرائع اور فوجی قوت کی

کوئی تخصیص نہیں لیکن پوری دنیا کے حالات کے تناظر میں جب ہم اقوامِ متحدہ کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کے کردار میں ایک تضاد نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو اقوامِ متحدہ غیر مسلم ممالک کے مسائل حل کرنے اور ان کے استحکام کے لیے پوری طرح فعال نظر آتی ہے مگر دوسری طرف مسلم ممالک کے مسائل حل کرنے میں مخلص نظر نہیں آتی۔ اگر معاملہ روانڈا جیسے چھوٹے ملک میں خانہ جنگی کا ہو تو وہاں اقوامِ متحدہ بلا کسی تاخیر کے امن فوج بھیج دیتی ہے مگر کشمیر کے مسلمانوں کے قتلِ عام پر سردمہری سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسرائیل نے تقریباً 35 سال تک اپنے پڑوسی مسلم ممالک شا[illegible] مصر اور اردن اور خود فلسطین کے علاقوں پر قبضہ جمائے رکھا مگر اقوامِ متحدہ نے کوئی فوجی کارروائی نہیں کی لیکن جب عراق نے کویت کی سرزمین پر قدم رکھا تو اس کے خلاف فوری طور پر فوجی کارروائی عمل میں آ گئی۔ یہی نہیں قبرص کے مسلمانوں اور افغانستان کے سلسلے میں اقوامِ متحدہ کی عملی کارروائیوں سے گریز سب کے سامنے ہے۔ بوسنیا ہرزے گوینا اس سلسلے کی سب سے اہم مثال ہے۔ یہ ملک یورپ کے قلب میں واقع ہے۔ صرف مسلمان اکثریت کی وجہ سے اقوامِ متحدہ کی خاطر خواہ توجہ سے محروم ہے۔ اس ملک کے مسلمان عوام کو جس بڑے پیمانے پر قتل کیا گیا ان کے علاقوں پر قبضہ کیا گیا، لوٹ مار اور ہر طرح کے جرائم جس پیمانے پر کیے گئے اس کے باوجود وہاں اقوامِ متحدہ کوئی فوری نوعیت کی فوجی کارروائی کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اس کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے بارے میں اقوامِ متحدہ کے کردار کے بارے میں رائے قائم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ افغانستان اور عراق پر امریکہ کی حالیہ فوجی کارروائیاں اور ان ملکوں پر امریکہ کا جارحانہ قبضہ اقوامِ متحدہ کی تازہ ترین بے حسی کا شاہکار ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ مغرب میں اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحانات در حالیہ مسلم ریاستوں کے قیام کو یورپ اور مغرب کے غیر مسلم حصوصاً امریکہ اور برطانیہ نے کھلے دل کے ساتھ قبول نہیں کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو توڑنے کے لیے اقوامِ متحدہ کو مسلم دنیا کے معاملات میں سردمہری کا شکار کر دیا ہے۔

دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مسائل

1. مسئلۂ کشمیر

برطانوی حکومت سے 1947ء میں پاکستان اور بھارت کو آزادی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کی کشمیر میں اکثریت تھی مگر وہاں کا راجا ہندو ڈوگرہ تھا۔ ہندو راجا نے بھارت میں شمولیت اختیار کی۔ کشمیری عوام اس فیصلہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ سوا سال تک جنگ جاری رہی۔ اقوامِ متحدہ نے 1949ء میں جنگ بندی کرادی اور اپنی فوج وہاں بھیج دی تاکہ جنگ بندی قائم رہ سکے اور فیصلہ دیا کہ کشمیر کے لوگ رائے عامہ کے ذریعے اپنی مرضی کا اظہار کریں کہ آیا وہ بھارت میں شامل رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں۔ پاکستان نے اس فیصلہ کو بخوشی قبول کیا۔ مگر بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے آج تک کشمیری مسلمانوں کو یہ موقع نہیں دیا گیا۔ نتیجے کے طور پر آج 3/4 کشمیر پر بھارت کا قبضہ ہے اور

1/4 پر آزاد کشمیر کی حکومت قائم ہے۔ کشمیری مسلمان اس دن کے منتظر ہیں جس دن وہ اپنی مرضی کے مطابق آزاد حکومت قائم کریں گے۔ مسلمان ہونے کے ناطے سے پاکستانیوں کو کشمیری عوام سے ہمدردی ہے۔

2. مسئلۂ فلسطین

فلسطین مشرق وسطیٰ میں مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ اس علاقے کو انبیاء کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے یہ سرزمین مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے یکساں اہمیت اور تقدس کی حامل ہے۔ پہلی جنگ عظیم تک یہ علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل تھا۔ جنگ میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کرلیا اور یہاں یہودیوں کی خودمختار مملکت قائم کرنے کی تجویز پیش کی جبکہ اس وقت فلسطین میں مسلمانوں کی آبادی 93 فیصد، عیسائیوں کی آبادی 5 فیصد اور یہودیوں کی صرف 2 فیصد تھی۔ مسلمانوں نے اس کی سخت مخالفت کی مگر انگریزوں نے یہودیوں کو دنیا بھر سے لاکر یہاں آباد کرنا شروع کردیا۔ 1948ء میں برطانیہ نے فلسطین سے اپنی فوجیں واپس بلانے کا اعلان کردیا۔ اقوام متّحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک تجویز منظور کی کہ فلسطین کو تقسیم کرکے اس کے ایک حصے میں یہودیوں کی اور دوسرے حصے میں فلسطینی مسلمانوں کی ریاست قائم کردی جائے۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ سراسر زیادتی تھی۔ انھوں نے اس کی سخت مخالفت کی مگر 1948ء میں یہودیوں کی ریاست اسرائیل قائم کردی گئی اور اسے روس، امریکہ اور برطانیہ سمیت دنیا کے ملکوں نے تسلیم بھی کرلیا مگر مسلمانوں کی فلسطینی ریاست کو قائم نہ ہونے دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ فلسطینی مسلمانوں کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کرکے انھیں بے گھر کردیا گیا۔ یہ فلسطینی مسلمان مختلف قریبی عرب ممالک میں خیمہ زن ہونے پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ فلسطینی مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ مصر، شام اور دوسرے عرب ممالک نے فلسطینی مجاہدین کی مدد کی۔ اقوامِ متّحدہ نے جنگ تو بند کرادی مگر فلسطینیوں کو ان کے حقوق نہ دلواسکی۔ بڑی طاقتوں نے اسرائیل کی پشت پناہی کی اس لیے اس نے اقوامِ متّحدہ کی ہر قرارداد اور تجویز کو ٹھکرادیا۔

اسرائیل نے کئی بار مسلمان ممالک پر جارحانہ حملے کیے اور فلسطینی مجاہدین کے ٹھکانوں اور کیمپوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کیں۔ 1967ء میں اس نے مصر، شام اور اردن پر حملہ کرکے مسلمانوں کے قبلۂ اول بیت المقدس سمیت کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ 1969ء میں اسرائیلی انتہا پسندوں نے مسجد اقصیٰ کو نذرِ آتش کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ وہ اس مسجد کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ 1973ء میں مصر نے اسرائیل پر حملہ کرکے اپنے کچھ علاقے واپس لے لیے مگر شام اور اردن کے علاقے اب بھی اسرائیل کے قبضے میں ہیں۔ اسرائیل نے لبنان پر حملہ کرکے وہاں بھی اپنے پنجے گاڑ دیئے اور فلسطینی مجاہدین کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کردیا کیوں کہ وہی اس کے لیے حقیقی خطرہ تھے۔

موجودہ صورتِ حال

اس پورے عرصے میں اقوامِ متّحدہ مسئلۂ فلسطین کے حل کے لیے مختلف کوششیں کرتی رہی مگر امریکہ، برطانیہ اور دوسری بڑی طاقتوں کی سرپرستی کی وجہ سے اسرائیل نے انھیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اب تو اسرائیل نے فلسطینیوں

کے خلاف نہایت ہی بربریت کا مظاہرہ کر رکھا ہے۔ نہتے لوگوں اور شیر خوار بچوں اور خواتین کو شہید کیا جا رہا ہے اور ان کے رہائشی علاقوں اور گھروں کو بلڈوزروں سے مسمار کر رہا ہے۔

اسرائیل کی جارحیت اور امریکہ کی افغانستان اور عراق میں حالیہ کارروائیوں کی وجہ سے عرب اور مسلم دنیا میں اسرائیل اور امریکہ کے خلاف شدید غم و غصہ کی لہر پائی جاتی ہے۔ لہٰذا امریکہ نے مسلم دنیا کے سامنے اپنی سیاسی ساکھ کو بحال کرنے کے لیے فلسطین کا مسئلہ حل کرنے کی خاطر 2003ء میں امن روڈ میپ (Peace Road Map) دیا ہے جس سے اسرائیل اور فلسطینی قیادت کے درمیان گفت و شنید ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ 2004ء تک فلسطین کی ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم ہو جائے گی۔

3. بوسنیا ہرزیگوینا کا مسئلہ

دسمبر 1991ء میں سوویت یونین کا خاتمہ ہوا تو اس میں شامل پندرہ کی پندرہ جمہوری ریاستوں نے اپنی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور انھیں بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔ مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک میں بھی آزادی کی لہر اٹھی۔ یوگوسلاویہ چھ جمہوری ریاستوں کا وفاق تھا۔ شمال میں سلووینیا اس کے ساتھ ملحق کروشیا، وسط میں بوسنیا ہرزیگوینا، مشرق میں سربیا، جنوب میں مانٹی نیگرو اور انتہائی جنوب میں مقدونیہ۔ اس کا رقبہ 2,52,892 مربع کلومیٹر تھا اور 1983ء میں اس کی آبادی 2,28,26,000 تھی۔ جن میں 50 فیصد یونانی عیسائی 30 فیصد رومن کیتھولک اور 10 فیصد مسلمان تھے۔

سب سے پہلے سلووینیا نے آزادی کا اعلان کیا اور پھر بوسنیا ہرزیگوینا نے اور انھیں تسلیم بھی کر لیا گیا۔ بوسنیا ہرزیگوینا کا رقبہ 52,129 مربع کلومیٹر اور 1991ء میں آبادی 45 لاکھ تھی جس میں 44 فیصد مسلمان، 36 فیصد سرب عیسائی اور 17 فیصد کوروش عیسائی ہیں۔ ان تینوں کی زبان کوروش ہے اور باہمی رشتے ناطے بھی ہوتے ہیں۔ حکومت میں بھی تینوں شریک ہیں۔

اس کا دارالحکومت سرائیوو ہے۔ سربیا اور مانٹی نیگرو وفاق قائم رکھنے کے حق میں تھے جبکہ کروشیا اور مقدونیہ بھی آزادی کے خواہاں تھے۔ سربیا نے وفاق قائم رکھنے کے لیے بوسنیا ہرزیگوینا کو اپنے جبر و تشدد کا نشانہ بنایا اور مسلمانوں کی نسل کشی شروع کر دی۔ ان کے ہزاروں لوگوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ ان کی ہزاروں خواتین کی اجتماعی آبروریزی کی، کئی ہزار افراد ہجرت کر گئے اور لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ سربیا نے یہ سب کچھ روس کی شہ اور مدد سے کیا۔ سربیا کو روس اور یورپی یونین نے کھلم کھلا اسلحہ دیا اور بوسنیا پر مسلسل پابندی عائد کر دی گئی۔ لیکن پھر بھی بوسنیا کے مسلمانوں نے چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر سے کہیں زیادہ سفاک دشمنوں کا مقابلہ کیا۔

بوسنیا میں جو کچھ ہوا ہے اس نے یورپ کی نام نہاد تہذیب اور ترقی کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور اسے اندر سے بالکل کھوکھلا اور سیاہ باطن ثابت کر دیا ہے۔ مسلمان ممالک بھی زبانی جمع خرچ سے زیادہ نہیں کر سکے حالانکہ اگر وہ تیل بند کرنے کی دھمکی دیتے تو بھی اہل یورپ کے ہوش ٹھکانے آجاتے۔ نتیجہ یہ کہ سربیا ایک وحشی درندے کی طرح بوسنیا

ہرزیگوینا کو اپنی خون آشامی کا نشانہ بنائے ہوئے تھا۔

پاکستان نے اپنے محدود وسائل کے باوجود حکومت اور عوام کی سطح پر بوسنیا کے لوگوں کی اخلاقی، مادی اور سفارتی سطح پر مدد کی۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1. اقوامِ متحدہ کے وجود میں آنے کی کیا وجہ تھی؟
2. اقوامِ متحدہ کے اہم اداروں کو بیان کریں اور ان کے فرائض بھی لکھیں۔
3. اقوامِ متحدہ کے مختلف شعبوں پر نوٹ لکھیں۔
4. دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مسائل کون سے ہیں؟

(ب) خالی جگہیں پر کیجیے:

(i) 24 اکتوبر 1945ء کو انجمن اقوامِ متحدہ کے نام سے ایک .... قائم ہوا۔

(ii) اقوامِ متحدہ کے سب سے اہم اور افضل شعبے کا نام .... ہے۔

(iii) جنگ کو روکنے اور عالمی امن قائم رکھنے میں .... کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

(iv) کسی ملک کی ترقی کا دارومدار وہاں کے .... کی حالت پر ہوتا ہے۔

عملی کام

1. ایک چارٹ تیار کریں جس میں اقوامِ متحدہ کے ممالک کے ممبروں کے نام درج کریں۔

تیار کردہ مڈل اسکول پراجیکٹ، ایشیائی ترقیاتی بینک، وفاقی وزارتِ تعلیم، اسلام آباد

منظور کردہ محکمہ تعلیم صوبہ سندھ، بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

قومی کمیٹی برائے جائزہ کتب نصاب کی تصحیح شدہ

قومی ترانہ

پاک سر زمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سر زمین کا نظام قُوّتِ اُخُوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال

6013

پبلشر کوڈ نمبر 169			سلسلہ وار نمبر
قیمت	تعداد	ایڈیشن	ماہ و سالِ اشاعت
22.15	10,000	Third	April 2004